U48277. Date- 4-01-10

Title - HAYAAT JAVIDAANI YAANI MUNEER NAC
JANG MOHSINUD DAULA MOHSINUL MUL
NAWAB SAYYED MEHDI ALI KHAN BAHADUR
KE HALAAT ZINDAGI

Creator - Sayyed Amjad Ali.

Publisher - (Lahore).

Date - 1908.

Pages - 96.

Subjects - Tazkira Mashaheer - Aligarh; Mehdi Ali Kh
Nawab Mohsinud Daula Mohsinul Mulk - Sawane
; Sayyed Ahmad Khan, Sir - Rifqaa.

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ

حیات جاودانی

یعنی

منیر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک نواب سید مہدی علی خان بہادر کے

حالات زندگانی

جو

مولانا سید امجد علی صاحب اشہری نے مرتب کیے

اور

بعد نظر ثانی و اضافہ مطالب جدید منجانب منشی محمد مقتدی خان صاحب شروانی

۱۹۰۸ء میں پہلی مرتبہ

کارخانہ پیسہ اخبار لاہور کی خادم التعلیم اسٹیم پریس میں

منشی محمد عبد العزیز منیجر کے اہتمام سے چھپی

لکچرار هوں گے اسپیکر هوں گے ، فلاسفر هوں گے ، قوم کے همدرد بهی
پیدا هوں گے ، یهه سب کچهه هوگا لیکن افسوس نواب محسن الملک
کی سی خوبیوں کا بشر دیکهنے میں نه آئے گا

(وقارالملک)

منیر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک نواب سید مہدی علی خاں

بہادر مرحوم

تحمید و تمہید

خدائے وحدہٗ لاشریک کی صنعتوں اور حکمتوں کے سلسلۂ لاانتہا ہی میں انسان بجائے
خود ایک ایسا مجموعۂ صنعت و حکمت ہے جس سے کوئی مخلوق لگا نہیں کھاتی۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ آسمان ستاروں سے جگمگا رہا ہے لیکن خدا کے ان چمکدار ستاروں نے زمین کو بھی
آسمان بنا دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا ذرہ ذرہ آسمانی ستاروں سے زیادہ نور بخش و حیرت انگیز
ہے۔ اور جیسے آسمان کے ستاروں میں آفتاب و ماہتاب اور دوسرے ستاروں کی روشنی
آسمان سے زمین تک اپنی روشنی ڈالتی ہے۔ ویسے ہی ان زمین کے ستاروں میں خاص
خاص نورانی پیکر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے اور دنیا کو چمکاتے ہیں۔

ہر صدی میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اپنی خداداد طاقتوں میں آپ ہی اپنا
نظیر نظر آتے ہیں۔ اور ان سے دین و دنیا کے لیے کام ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ ہزاروں
لاکھوں آدمیوں سے نہیں ہو سکتے اور نہ لاکھوں کروڑوں روپے کی دولت ان کے
جوہر کمال کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ان کے عقول و افہام کی کنجیاں بڑے سے بڑے
زنگ خوردہ فولادی قفلوں کو کھول دیتی ہیں۔ ان کے دماغوں میں عقل کامل کی وہ
روشنی ہوتی ہے جس سے ظلمت کدہ عالم میں نئی روشنیاں ظلمت شب سے سپیدۂ سحر
کی طرح پھوٹ نکلتی ہیں۔ اور ہر ایک سے مختلف طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے جیسے

سر سید احمد خان بہادر نور اللہ مرقدہٗ جنکے دل کی طاقتوں اور دماغ کی روشنیوں
نے مسلمانوں میں نئی روح پھونک دی اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کے گھروں میں انگلستان
و یورپ کے برقی لیمپ روشن کر دیئے یا

نواب سر سالار جنگ بہادر مرحوم وزیر حیدرآباد جنکے نظم و تدبیر نے حیدرآباد
کی ظلمتوں سے نئی روشنی پیدا کی۔ اور حیدرآباد کو ایک معمولی درجہ سے شاہی گورنمنٹ

کے درجہ تک پہنچا دیا یا

نواب محسن الملک بہادر جنکی مختصر سوانح عمری کے متعلق یہ کتاب شائع کیجاتی ہے۔ اُنکا دل سرسید کے مقالات کا خزینہ اون کا دماغ سرسالارجنگ کے خیالات کا دفینہ تھا ہمارے نزدیک نواب محسن الملک کی لائف نہایت دلچسپ اور مؤثر ہو سکتی ہے۔ لیکن اُسکا مواد ملنا مشکل ہے۔ جو حرف راز بنکر سرکاری دفتروں میں محفوظ ہے۔ نواب محسن الملک بہادر کی سوانح عمری کو اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ۔ سرسالارجنگ۔ نواب لائق علیخان مہاراجہ نرندر پرشاد۔ سرآسمانجاہ۔ سرخورشید جاہ۔ نواب اقبال الدولہ۔ اور دوسرے امرا کے پرائیویٹ تعلقات اور ولیسرایان ہند اور برٹش رزیڈنٹوں کے پراسرار نامہ و پیام اور گورنمنٹ انڈیا اور گورنمنٹ نظام کے دوستانہ تعلقات اور نظام پالٹیکس اور انگلش پالٹیکس کے پیچ در پیچ خیالات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ بغیر خاص منظوری کے اسکا مواد سرکاری دفتر سے باہر نہیں آسکتا۔ نظربران ہمارا مقصد ایک مفصل اور مکمل لائف لکھنے کا نہیں بلکہ ہم ہندوستان کے ہر حصّہ میں عام مسلمانون کو جناب مرحوم کے ضروری حالات خیالات سے واقف کیا چاہتے ہیں جس سے وہ ہر بات میں اپنے قومی رفارمر کا اندازہ کرسکیں۔ اور اُنکی تصویر سے گھر بیٹھے اُنکی زیارت ہو جائے۔ جناب مرحوم کی رفتار ترقی مہدی۔ مہدی علی۔ مولوی مہدی علی۔ مولوی مہدی علی خانصاحب بہادر۔ منیر نواز جنگ۔ نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ مولوی مہدی علیخانصاحب بہادر سے ظاہر ہوگی۔

مہدی

ممالک مغربی و شمالی کے نقشہ میں کانپور اور الہ آباد کے درمیان جمنا کے کنارے اٹاوہ کی آبادی اپنی قدامت کا ثبوت دیتی ہے۔ اسکا گراہوا قلعہ اور خرابات کہن پتہ بتاتے ہیں کہ ہم مسلمانون کی سلطنت سے پہلے ہندوؤن کے زمانہ عروج میں بڑے بڑے راجاؤن اور امیروں کے رہنے کے قصر و ایوان تھے۔ زمانہ کے انقلاب نے ہمیں خاک میں ملا کر چھوڑا اور ہوا سے حالات کی آندھیون نے ہماری خاک کو اڑا کر جمنا میں ڈالدیا۔

آئین اکبری سے بھی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شاہنشاہ اکبر کے وقت میں یہ مقام اس لائق تھا کہ شاہی تاریخ میں اسکا ذکر کیا جائے۔ بادشاہ کے خزانچی کی ایک حویلی باون چوک والی اب تک زمانۂ شاہی کی یاد دلاتی ہے۔ اب اس میں باون چوک نہیں لیکن اسکا ایک ایک پتھر اور لکڑی کی ایک ایک چوکھٹ ہے اسکے بانیوں کی عظمت اور ان کے تمول کے افسانوں کا ثبوت ملتا ہے۔ شہر کی آبادی کے دو حصے ہیں ایک پرانا شہر دوسرے نیا شہر۔ پرانے شہر میں ہندوؤں کی اور نئے شہر میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ اسی حصۂ شہر میں میر خورشید علی صاحب کا خاندان بجائے خود ایک محلہ کی آبادی رکھتا تھا۔ میر خورشید علی کا سلسلۂ نسب بارہہ کے نہایت مشہور خاندان سادات سے ملتا ہے۔ بتانا اس مختصر کتاب کے مقاصد سے خارج ہے کہ مہدی کے اجداد بارہہ سے اٹاوہ کب اور کس طرح آئے۔ ماں کی جانب سے مہدی کے سلسلہ کی کڑی شیخوپور و فرخ آباد کے خاندان عباسیہ سے جا کر ملتی ہے۔ یہاں ہم ایک شجرہ لکھتے ہیں اس سے ضروری حالات کا انکشاف ہوگا۔

شجرہ

مولوی رفیق حسن
سید عزیز حسن
غلام پنجتن
منظور علی
نواب محسن الملک بہادر
سید ضمیر حسن
میر فرزند علی
میر خورشید علی

اس شجرہ میں آپ دیکھیں، میر خورشید علی صاحب کے بیٹے میر ضامن علی صاحب ہیں اون کو خدا نے ۹ دسمبر ۱۸۳۷ء کو یعنی اس سال جس میں انگلستان کے تخت پر ملکہ وکٹوریا آنجہانی جلوہ افروز ہوئیں) وہ ستارہ روشن عطا کیا جو آگے چلکر آفتاب ہوگا - یعنی فرزند پیدا ہوا - تمام برادری میں مبارک سلامت کی دھوم ہوگئی اور چونکہ قدرت نے اس مولود کو تمام خاندان سے زیادہ حسین وجیہ پیدا کیا تھا اسلیئے مہربان ماں نے اپنے آغوش کی زینت سمجھا اور شفیق باپ نے اپنی آنکھ کی پتلی جانا - آرزو مند بھائی کو اپنے بھائی سے عشق ہوگیا - محلہ اور برادری کے زن ومرد میں مولود کا ذکر پر جوش تہنیت سے ہونے لگا نظر بد سے محفوظ رہنے کو گنڈے باندہے اور تعویذ پہنائے گئے - محرم کی ساتوین کو منت کی ہنسلیان ہر سال اضافہ ہوتی رہین - اور اوس وقت کے مناسب حال جو خوشی ہوسکتی تھی - اس میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا -

ہر سال نذر و نیاز میں اضافہ ہوا تاکہ یہ بچہ ہر طرح کے آسیب و گزند سے محفوظ رہے خاندان میں مذہب شیعہ کا دور دورہ تھا - علی حسن عباس نقی تقی سب نام جو سادات کیلئے مخصوص ہیں موجود تھے - اور ضامن کو مہدی سے مناسبت ہے اسلیئے کہ امام مہدی کو امام ضامن بھی کہتے ہیں اسلیئے مہدی نام رکھا گیا - ماں باپ کے دلوں میں طرح طرح کے ارمان جوش زن ہوئے - اور چونکہ انگریزی دور میں تحصیلداری - ڈپٹی کلکٹری - صدر الصدوری بڑے سے بڑے عہدے سمجھے جاتے تھے اسلیئے ہر ایک کی زبان سے بار بار یہی دعا نکلتی کہ خدا تحصیلدار کرے - ڈپٹی کلکٹر کرے - صدر الصدور ہو - کوئی کوئی بی بی جسکے دل سے شاہی عہدون کی یاد نہ بھولی تھی کہدیتی کہ سہ ہزاری ہو - پنجہزاری ہو - یہ سن سنکر خوش نصیب مولود کی تقدیر کہہ رہی تھی کہ خدا اس مولود کیلیئے جو مانگو وہ دینے کو تیار ہے لیکن زمانہ کے انقلاب نے خیالات کی بلندی کو چھین لیا تھا - بزرگوں کی دعائیں ان عہدون سے آگے کوئی درجہ نہ دیکھتی تھین - اسلیئے بار بار یہی دعا ورد زبان ہوتی تھی - آگے چلکر ہر ایک کی دعا نے مولود مسعود کو تحصیلداری اور ڈپٹی کلکٹری سے سہ ہزاری تک پہنچا کر چھوڑا -

مھدی علی

وہ بچہ جو ابھی بزرگوں کے پیار سے مھدی مھدی پکارا جاتا تھا پندرہ سولہ برس کے سن میں درسیات عربی و فارسی سے فارغ ہو کر مھدی علی کہے جانے کے لائق ہوا۔ اُسکے علم و ادب نے بزرگوں کے دلوں میں اُسکے احترام کی مزید گنجائش پیدا کر دی۔ اور اس ستارہ کی روشنی سے تمام خاندان جگمگانے لگا۔ ذہن و حافظہ خداداد نے مشکلات علمیہ کو آسان کر دیا۔ جو لوگ سید مہدی علی کی بچپن کی ذہانت و ذکاوت دیکھتے تھے وہ اُن کے والد سے یہ پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ کہ آپ کا بیٹا اعلےٰ درجہ کا مولوی ہوگا۔ لیکن جس درجہ پر یہ ہونہار بچہ بڑا ہو کر پہنچا وہ ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ بچہ نہ صرف بڑا مولوی ہوگا بلکہ ملک اور قوم کی اعلےٰ درجہ کی خدمت انجام دیگا۔

ہر چند کہ اٹاوہ میں علم کا چرچا نہ تھا۔ اور اس خاندان کے بزرگ بھی علم کے رُتبہ شناس نہ تھے۔ مگر خود ہونہار مہدی کی صفائی باطن اور رشد ذاتی نے اُنکو علمی لذتوں کا معرفت آشنا کر دیا تھا۔ اسلئے جو صاحب علم و کمال ملتا اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے۔ آخر کو جب بڑی کتابوں کا نمبر آیا تو مولوی عنایت حسین صاحب کے درس فضیلت کے نصاب کو پورا کیا اور مولوی سلامت اللہ صاحب کانپوری کے فیض صحبت نے بھی نہایت عمدہ اثر پیدا کیا۔ مولوی عنایت حسین صاحب جو علوم شرقیہ کے عالم متبحر اور دینیات کے فاضل اجل تھے۔ اصلی وطن اُن کا دیوہ (بارہ بنکی) تھا۔ مگر قصبہ پھپوند (اٹاوہ) میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ طبیعت پہلے سے معقولات کی طرف مائل تھی۔ اس لئے معقولات پر زیادہ توجہ کی۔ آخر کو استاد کے فیض اور معقولات کے درس و مطالعہ نے دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا کر دی اور معقولات کے مطالعہ نے دل کو نئی تحقیقات کی طرف اُبھارا۔

مہدی علی کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا بالکل موقعہ نہیں ملا تھا۔ مگر تو اس وقت

کہ اُس زمانہ تک مسلمان انگریزی تعلیم کی جانب متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اور غالباً زیادہ تر اس سبب سے کہ ان کے بزرگ مذہبی غلو کی وجہ سے انگریزی تعلیم سے نفور تھے انہوں نے ہوش سنبھالنے پر خود بھی اس کی پروا نہیں کی۔ حتے کہ علیگڈہ کالج کی سکرٹری شپ کے ابتدائی زمانہ تک وہ انگریزی سمجھ بھی نہ سکتے تھے۔ چنانچہ کلکتہ کانفرنس کے موقع پر خان بہادر مرزا شجاعت علی بیگ صاحب سکرٹری استقبالی کمیٹی کی انگریزی تقریر کے جواب میں منجانب ڈیلیگیٹان اُنہوں نے جو تقریر کی تھی اُس میں کہا تھا۔ کہ "مرزا صاحب کی انگریزی اسپیچ نے شہر خموشان کی حالت پیدا کردی۔ میں تو ان کی اسپیچ ہنین سمجھ سکتا۔ مگر قیاس یہی چاہتا ہے کہ حسب دستور اُنہوں نے ممبرون کا خیر مقدم کیا ہوگا" لیکن آخر میں انگریزون اور انگریزی دانوں کی کثرت سے صحبت اور انگریزی آب وہوا میں تنفس کی وجہ سے انگریزی میں اتنی مہارت پیدا کرلی تھی کہ معمولی تحریر وتقریر کو بخوبی سمجھ لیتے تھے۔ باوجود اس کمی کے انہوں نے ملک وقوم کی جو خدمت کی وہ ہمارے اچھے اچھے گریجوایٹوں سے ہونی مشکل ہے۔ پانیر نے ۱۹۰۲ء میں ان کے متعلق بالکل صحیح ریمارک کیا تھا۔ کہ "زمانۂ حال کے ان مشہور لوگون میں جو تعلیم انگریزی سے بے بہرہ ہیں بہت کم اشخاص نواب منیر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان صاحب بہادر کے ہم پلہ ہوسکتے ہیں"

اسوقت خاندان میں شیعہ مذہب کے رسم ورواج کا زور شور تھا۔ آئے دن مجلسین ہوتی رہتی تھیں۔ عورت مرد لڑکا لڑکی سب ایک ایک رسم کو فرائض کیا رسے بڑہکر سمجھ رہے تھے۔ عشرۂ محرّم اور چہلم میں تعزیہ داری کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اِدہر اُدہر کے پڑہنے والے ذاکر جو آنکلتے تھے وہ بھی ٹھیرا لئے جاتے تھے۔ سُنیّون کی ہر بات سے نفرت ظاہر کی جاتی تھی۔ غرضکہ یہ حالات تھے جن میں مہدی علی نے پرورش پائی۔ اور ہوش سنبھال کر دنیا کو دیکھا۔

محرری - پیشکاری - تحصیلداری

اگرچہ سید مہدی علی کے خاندان میں سرکاری ملازمت کا رواج نہ تھا۔ اور حضرت ایک صاحب سید ظہور علی صاحب گذشتہ صدی کے وسط میں صدر الصدور اور نواب وزیر الدولہ کے عہد حکومت میں ریاست ٹونک کے وزیر ہوئے تھے۔ لیکن خدا کو منظور نہ تھا کہ سید مہدی علی بھی اپنے دیگر اہل خاندان کی طرح بالکل الگ تھلگ رہ کر گوشۂ عافیت میں زندگی بسر کریں۔ بلکہ مشیت ایزدی یہ تھی کہ وہ گمنامی سے نکلکر نیکنامی کی بلند ترین چوٹی پر پہنچیں اور اپنی خداداد غیر معمولی پوشیدہ قابلیتوں کو دنیا پر ظاہر کریں۔

ہونہار صاحبزادہ کے دل میں دینی اور دنیاوی امور کے متعلق نئے نئے خیالات اور نئی نئی امنگیں موجزن ہونے لگیں۔ طبیعت میں ایک طرف سنی اور شیعہ کے مذاہب پر غور کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ دوسری جانب سرکاری ملازمت کی امنگ دل میں آئی۔ اور خود کو حاکم ضلع کے سامنے پہنچایا۔ حاکم ضلع مسٹر اے او ہیوم مشہور حامی کانگریس نے تاڑ لیا کہ یہ ہونہار لڑکا بڑے بڑے کام انجام دینے کے لائق ہوگا۔ اور فی الفور دس روپے ماہوار کی ایک محرری پر مقرر کر دیا۔ اگرچہ جگہ معمولی تھی۔ مگر آئندہ بہبودی کے آثار نظر آتے تھے۔ مسٹر ایلن ہیوم سید مہدی علی کے قابلانہ اور شریفانہ برتاؤ سے ایسے خوش ہوئے کہ بعد چندے ۱۸۵۵ء میں اہلمدی پر ترقی کر دی۔ اسی عرصہ میں غدر پڑ گیا اور اٹاوہ بھی باغیوں کے حملوں سے نہ بچ سکا۔ اور چند ماہ تک باغیوں کا قبضہ بھی شہر پر رہا۔ مگر سید مہدی علی اور ان کا خاندان سرکار انگریزی ہی کا دم بھرتا رہا۔ اور قابل قدر خدمات انجام دیں۔ غدر کے فرو ہونے کے بعد جب انگریزی تسلط از سر نو قائم ہوا اور مسٹر ہیوم اٹاوہ کو واپس آئے تو مہدی علی کو پیشکار کر دیا۔ ڈیڑھ سال بعد سررشتہ دار کر کے اپنی پیشی کا کام سپرد کر دیا۔ اس طرح صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ کو بلا واسطہ اُن کی قابلیت سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ دو سال بعد ۱۸۶۱ء میں انہیں عہدہ تحصیلداری پر مامور کر دیا۔ اب گویا انہوں نے شہرت کے زینہ پر قدم

رکھتا۔ کیونکہ بالکل ماتحتی کی صورت میں اُن کی اعلےٰ قابلیت اور تدبر کے نتائج براہ راست ان سے منسوب نہیں ہوسکتے تھے۔ اب زمانہ نے ترقی کے ساتھ مولویت کا سہرا مہدی علی کے سر پر باندھا۔ اور اب وہ مولوی مہدی علی کہے جانے لگے۔ آگے چلکر شہرت عام اور بقائے دوام کا طرّہ لگے گا۔ لیکن قبل اسکے کہ اُن کی سرکاری خدمات کے کارناموں کا ذکر کیا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص واقعہ کا کچھ حال لکھیں جو اُن کے حالات زندگی میں مناسب جگہ پانے کا مستحق ہے۔

مولوی مہدی علی

جب عربی اور فارسی کی درسی کتابیں نکل چکیں۔ تو معقولات و مذہب کی کتابوں کے سیر و مُطالعہ کا خاص شوق ہوا۔ اور طبیعت سُنّی اور شیعہ کے معتقدات میں چھان بین کرنے لگی۔ مرثیوں اور سلاموں کی جگہ کتب مناظرہ سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ شہر کی مسجدوں میں سُنیوں کو جماعت سے نماز پڑھتے اور وعظ کہتے دیکھا اہل علم کی باتیں سننے کا موقع ملا۔ شیعوں کی قلت اور سُنیوں کی کثرت کو دیکھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ شیعہ محض مرثیے پڑھنے اور تعزیہ بنانے سے بہشت میں نہیں جاسکتے۔ اور شیعوں کے پہرے بہشت کے دروازوں پر قائم نہیں ہوسکتے کہ وہ کسی سنی کو بہشت میں نہ آنے دیں۔ اور نہ لاکھوں کروڑوں سُنی شیعوں کے عام خیال کے موافق دوزخ میں جھونکے جاسکتے ہیں۔ شیعوں کا یہ کیسا خیال ہے کہ اپنے لئے میر انیس اور مرزا دبیر کے نوحہ و سلام سُنکر دو آنسو نکلنے پر قطعی جنتی ہونے کا فیصلہ کریں اور سُنیوں کے نماز و روزہ کو فضول سمجھکر اونکو سزاوار دوزخ جانیں۔ ایک طرف تو یہ خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ جو ایک ذی علم و روشن خیال شخص کے دل میں پیدا ہونے ضروری تھے۔ پیشکاری اور تحصیلداری پر مامور رہنے سے اکثر اعلےٰ عہدداروں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو سُنی مذہب رکھتے تھے۔ اُن کی صحبت نے سُنی مذہب کی خوبیوں کو اور زیادہ استوار کر دیا۔

دوسرے کوئی شیعہ عالم و مجتہد موجود نہ تھا جو ایک ایسے محقق اور روشن خیال عالم کے خدشات کو دل سے دور کرسکتا اور نہ گھر میں سوائے سوز و مراثی یا معمولی کتابوں کے وہ ذخیرہ موجود تھا جسکے دیکھنے سے خدشات و وساوس دور ہوسکتے۔ اور دوسری طرف سُنی جماعت کے باا‌ثر مشاہدات سامنے تھے اور شیعوں کے مقابل سنیوں میں بعض ذی علم جنکے ساتھ مولوی سید مہدی علی کا ربط ضبط تھا۔ شیعہ مذہب کی برائیاں ظاہر کرنے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے۔

اسلئے مولوی مہدی علیصاحب کی طبیعت میں گروہ شیعہ سے نکلکر سُنی جماعت میں ملنے کی خاص رغبت پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک روز علانیہ اعلان کر دیا کہ اب وہ سُنی ہوگئے ہیں۔ اس خیال کے ظاہر ہونے سے اون کے خاندان اور شیعہ پارٹی کو سخت رنج پہنچا اور اسکے مقابل سُنی پارٹی میں عید ہوگئی۔ تمام اٹاوہ کے سنیوں نے اونکو اپنی مسجد میں لیجاکر اپنا پیشوا بنایا۔ اور مولوی مہدی علی صاحبنے خود کو ایک بڑی جماعت کا پیشوا دیکھا۔ اور دور دور کے علما اور مشائخ اور صاحب جاہ لوگوں نے مصافحہ کو ہاتھ بڑھائے۔ جو ہاتھ بجائے خود ایک تاثیر سے خالی نہ تھے۔

اب انکو یہ شوق پیدا ہوا کہ اپنے سنی ہونے کا ایک نمایاں ثبوت پیش کریں جس سے تمام ہندوستان کی سُنی جماعت اوسپر فخر و ناز کرے۔ اسکے لئے وہ سُنی اور شیعہ کے مناظرہ پر بعض معرکۃ الآرا مقدمات کے فیصل کرنے پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے آیات بینات نام ایک کتاب لکھی۔ جو ابتدا میں جزراً جزراً بطور رسالہ شایع ہوا کرتی تھی اسمیں کچھ شک نہیں کہ مولوی مہدی علی صاحبنے اپنے پہلے مذہب کو اپنے دوسرے مذہب سے شکست دینے میں بڑی طاقت خرچ کی ہے۔ اور شیعوں کو شکست اور سُنیوں کی فتح میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ جب چھپ کر کتاب شائع ہوئی تو خود مولوی مہدی علی صاحب کے برادران شیعہ میں سے انکے ایک بھائی نے آیات بینات کا جواب لکھا۔ جسپر شیعہ ویسے ہی فخر کرتے ہیں جیسے سُنی آیات بینات کو دیکھکر خوش ہوتے ہیں لیکن دونوں فریق سے زیادہ خود مصنف کو اس کتاب سے

فائدہ پہنچا۔ اوسکی آنکھوں کے سامنے دونو مذہب کے واقعات کھل گئے۔

اس تصنیف نے مصنف کو ایک نہایت اعلےٰ درجہ کا پولٹیشن بنا دیا۔ اور نہ صرف پولٹیشن بنایا۔ بلکہ اسکی قوت تحقیق و تنقید نے نہایت اعلےٰ درجہ کا جج بھی بنا دیا۔ رسول مقبول کی رحلت خلافت کی بحث علی ابن ابی طالب کی وصایت امیر معاویہ کے دعوے امام حسن کی علیحدگی نے پالٹیکس کے نہایت گہرے معانی و مطالب کو پولٹیکل شان سے سمجھا دیا۔ اور باغ فدک اور دوسرے دعاوی کی تنقیح اور فیصلہ نے وہ سبق دیا جس سے ایک ایسا روشن خیال جج بننے کی پوری تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔

ہمکو اس مقام پر اس کتاب کا ریویو کرنا مقصود نہیں اور نہ ہم سنی و شیعہ کی بحث میں پڑنا چاہتے ہیں۔ اسلیئے اس باب میں خامہ فرسائی کرنا نہیں چاہتے۔

مولوی مہدی علی کے مذہب کی نسبت یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ ابتداءً وہ نہایت غالی شیعہ تھے۔ جب شیعہ سے سنی ہوئے تو کوئی جمعہ خالی نہ جانے دیتے تھے۔ جس میں جامع مسجد میں منبر پر بیٹھکر وعظ نہ کہتے ہوں۔ اور جب سرسید کی پارٹی میں شریک ہوئے یا عرف عام کے بموجب نیچری بنے تو وہ سرگرمی دکھائی کہ سرسید کے خلیفہ بلا فصل قرار پائے۔ اسکے متعلق ایک لطیفہ مشہور ہے کہ جب انہوں نے سرسید کی حمایت میں مضامین لکھنے شروع کئے تو ایک سنی صاحب نے ان کے کسی شیعہ عزیز سے جاکر از راہ تاسف کہا کہ "نہایت رنج و افسوس کا مقام ہے کہ آپکا عزیز مہدی علی نیچری ہو گیا" جس کا جواب سنی صاحب کو یہ ملا کہ "میاں! ہم تو مہدی علی کو اسی دن رو بیٹھے تھے۔ جس روز وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر سنی ہوا تھا۔ اب تو تمہارے لئے رونے کا موقع ہے کہ وہ سنی سے نیچری ہو گیا"

تحصیلداری

۱۸۶۱ء میں جب مولوی مہدی علی صاحب عہدۂ تحصیلداری اٹاوہ پر مامور ہوئے تو تمام

شہر کو خوشی ہوئی - مولوی مہدی علی صاحب اور مسٹر ہیوم کلکٹر و مجسٹریٹ (حاشی نشین کانگریس) یکجان دو قالب تھے - مسٹر ہیوم کی توجہ اور تائید سے جو کام مولوی مہدی علیصاحب نے زمانہ تحصیلداری اٹاوہ میں کر لئے وہ اون کے بعد کسی تحصیلدار و کلکٹر کی کارگزاری میں نظر نہیں آتے - اٹاوہ کی تمام پختہ اور عریض سڑکین مولوی مہدی علیصاحب کی یادگار ہیں - اٹاوہ کا مشہور گنج جو مسٹر ہیوم کے نام سے بنوایا گیا - مولوی مہدی علی صاحب کی حسن تدبیر سے ہزارون روپے کے خرچ میں تیار ہوا جس سے آج ہزارون روپیہ سال کا کرایہ آتا ہے - اٹاوہ کی کچہری تحصیل جسکے مثل شاید کہیں تحصیل کا مکان نہ ہوگا - مولوی مہدی علی کے منتظم اولین کو یاد دلاتی ہے - جب مسٹر ہیوم کی جگہ مسٹر پالک اٹاوہ کے کلکٹر ہو کر آئے تو وہ بھی مولوی مہدی علی کی مٹھی میں رہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں طبیعت شناسی کی خاص قابلیت رکھی گئی تھی - ان کے عہدہ تحصیلداری کی کامیابی کا یہی ثبوت ہے کہ انہیں ڈپٹی کلکٹری کے اختیارات تحصیلداری اٹاوہ ہی کے زمانہ میں مل گئے تھے -

اٹاوہ کا مدرسہ اور منصفی اور کوتوالی وغیرہ کی عمارتین مولوی مہدی علی صاحب کے وقت مین تیار ہوئین - کسی کام میں ہزارون روپے کا خرچ کر دینا - اور پھر اس خرچ کو دوسری جگہ سے پورا کرا دینا مولوی مہدی علی صاحب کا معمولی کام تھا - ایک مرتبہ کسی کام کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی تو مسٹر ہیوم کی چٹھی لے کر مہاراجہ جیاجی راؤ گوالیار کے پاس جا پہنچے - اور وہان سے کام بنا کر اُس خرچ کو پورا اور مسٹر ہیوم کو خوش کر دیا -

یہ خصوصیت اُن کے آیندہ کارنامون خصوصًا علیگڈھ کالج کی سکرٹری شپ کے زمانہ مین نہایت نمایان طور پر نظر آتی ہے -

اسی زمانہ کا ایک اور واقعہ ذکر کرنے کے لایق ہے - وہ یہ کہ ۱۸۶۳ء میں اُنھون نے ڈپٹی کلکٹری کے لئے امتحان مقابلہ پاس کیا - اور بہت سے انگریزون تک سے امتحان میں اول نمبر پر رہے -

---

ڈپٹی کلکٹری مرزاپور

تحصیلداری اٹاوہ سے سنہ ۱۸۶۱ء میں ڈپٹی کلکٹری مرزاپور پر ترقی پائی - یہان بھی مسٹر پالک مجسٹریٹ و کلکٹر ایسے مہربان ہوئے کہ دوسرے عہدہ دار حیران ہوتے تھے کہ مولوی مہدی علی صاحب نے مسٹر پالک پر کیا جادو کیا ہے جو وہ ہر باب مین انکا دم بھرتے ہین اور اون کے خیال مین ان سے بہتر کسی ہندوستانی عہدہ دار کا ہونا ناممکن ہے -

ڈپٹی کلکٹری مرزاپور ہی کے زمانہ مین وہ ریاست وودھی کی سپرنٹنڈنٹی اور راج بنرٹل کے کورٹ آف وارڈس کی ممبری بھی کرتے رہے - اور باوجودیکہ یہ تمام کام بڑی ذمہ داری کے تھے مگر اس خوش اسلوبی سے انہیں نباہا کہ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ مرزاپور نے اپنی ایک سالانہ رپورٹ مین لکھا تھا - "کہ مین دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ مہدی علی سے زیادہ ذہین مستعد اور ایماندار کوئی ملازم صوبہ مغربی و شمالی (حال صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ) مین نہیں ہے"۔

خلعت کی سفارش

سنہ ۶۷ یا ۱۸۶۹ء مین صاحب کمشنر (الہ آباد) کی سفارش پر مولوی سید مہدی علی خان بہادر کو گورنمنٹ سے خلعت ملا - اس زمانہ مین سر سید ولایت تھے - اس کی مبارکباد دیتے ہوئے ان کو سر سید نے لکھا تھا - "بھائی مہدی! تم پائنیر اخبار الہ آباد کے ایک آرٹیکل کا ترجمہ سنو - وہ لکھتا ہے کہ آج کل ہندوستان مین مسلمانون کے خاندان روز بروز گھٹتے جاتے ہیں - چنانچہ صرف بنگال مین تمام سرکاری ملازمون مین چند مسلمان ہین - سو وہ بھی ضعیف العمر ہین اور جلد پنشن لینگے - اور ان کی جگہ یقیناً کوئی مسلمان نہیں ہوگا - اور آیندہ بجز چپراسی اور دفتری کے کوئی مسلمان معزز عہدہ پر نہیں ہوگا ...... جو عزت تم کو خدا دے وہ تمام قوم کی عزت ہے - اور مجھکو دوہری خوشی ہے ایک قومی - دوسری خاص محبت محبوبیت کی اللہ تعالی ہمیشہ با اقبال رکھے"۔

مولوی مہدی علی خان صاحب بہادر

ڈپٹی کلکٹری پر مامور ہو کر مولوی سید مہدی علی صاحب مولوی مہدی علی خانصاحب بہادر ہو گئے۔ اور روبکارون وغیرہ سرکاری کاغذات مین اہنین لفظون سے یاد کئے جانے لگے۔

واضح رہے کہ خان بہادر کا خطاب سرکاری نہ تھا۔ بلکہ بوجہ اپنے عہدہ کے وہ مہدی علی خان بہادر لکھے جانے لگے تھے۔

سر سالار جنگ کی قدر دانی

حیدرآباد کے مشہور وزیر سر سالار جنگ نواب محمد تراب علی خان بہادر مرحوم کلکتہ کو گئے تھے۔ جب وہان سے لوٹے تو مرزاپور مین گذر ہوا۔ یہان مہدی علیصاحب کو دیکھا۔ پہلا اثر تو اونکی صورت دیکھتے ہی ہوا کیونکہ اس زمانہ مین مولوی مہدی علی صاحب ایک یوروپین معلوم ہوتے تھے۔ دوسرے جو باتین اُن سے کین اور جس خوبی سے مولوی صاحب نے اون کے جواب دیئے اونکو سنکر اس فرزانہ یگانہ نے تاڑ لیا کہ برٹش گورنمنٹ کے جواہر خانہ مین یہ لعل شب چراغ دولت آصفیہ کے لائق ہے اور ۱۸۷۲ء مین گورنمنٹ سے انکی خدمات حیدرآباد کو منتقل کرالین اور بارہ سو روپیہ ماہوار پر بندوبست ملک محروسۂ عہدہ انسپکٹر جنرل مال کا کام سپرد ہوا۔ مسٹر فریدون جی جو آج ہزاکسلنسی مدار المہام کے پرائیویٹ سکرٹری ہین ان کو مولوی مہدی علی صاحب نے اپنا دست راست بنایا اور اورنگ آباد مین بیٹھکر کام شروع کیا۔

منیر نواز جنگ مولوی مہدی علیخان صاحب بہادر

چندماہ کے بعد سر سالار جنگ نے مولوی مہدی علی صاحب کی رپوٹون کو دیکھکر اور مولوی صاحب کی زبان سے اسماک کے حسب حال نئی نئی اسکیمون کے تجویزین سنکر مولوی صاحب

کو اپنے پاس رہنے کے لائق خیال کیا اور اس خیال سے معتمد مالگذاری مقرر کر دیا۔ گویا
تمام ملک کی وزارت مال کا چارج مولوی صاحب کے سپرد ہو گیا۔ اور بجلدوی حسن کار
گذاری منیر نواز جنگ بہادر کا خطاب با ضافہ سو صدر روپیہ ماہوار کے دیا گیا۔ اور محکمہ
بندوبست بھی ان کے ماتحت رکھا گیا۔ یہاں ان کو اپنے مدبرانہ صفات کے ظاہر
کرنے کا پورا موقع ملا۔ اور وہ بہت جلد محکمہ پیمائش و بندوبست کے کمشنر ہو گئے۔
اور ریاست و رعایا دونوں کی بہتری کے واسطے مناسب لگان تمام زمینوں پر لگا
دیا۔ آنریبل سر اسٹوارٹ لفٹنٹ گورنر بنگال نے سنہ ۱۸۸۶ء میں انہیں لکھا تھا کہ تم نے
محکمہ جات پیمائش۔ بندوبست اور مالگذاری کو ایسے عمدہ اصول پر قایم کیا ہے
کہ حضور نظام کے ہاں میں تمہارے انتظامی کارناموں کو وزیر اعظم کے بعد سب سے
بہتر خیال کرتا ہوں"۔ سر سالار جنگ نے سنہ ۱۸۷۶ء میں منیر نواز جنگ مولوی سید
مہدی علی خان بہادر کو اپنا مالی سکرٹری مقرر کر لیا۔ اور پورا اطمینان اور بھروسا ظاہر
کیا۔ سر سالار جنگ منیر نواز جنگ بہادر کی ہر ایک کارروائی سے بے حد خوش رہتے
تھے۔ اور ان کے سپاس گذار تھے۔ چنانچہ ان کا مقولہ تھا کہ "اس شخص کی صائب
رائے اور نکتہ سنجی پر مجھے جسقدر اعتماد ہے اتنا کسی اور کی رائے پر نہیں ہے"۔

نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ مولوی مہدی علی خان صاحب بہادر

مولوی مہدی علی خان صاحب بہادر کی خداداد قابلیتوں نے ہر کام کو اس حسن و خوبی سے
انجام دیا کہ سالار جنگ جیسا شخص دنگ رہ گیا اور تمام ملک میں اسکی تعریف زبان زد
خاص و عام ہو گئی۔ اسکے بعد سر سالار جنگ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے نامور فرزند لیفٹنٹ عماد
السلطنت نواب لائق علی خان صاحب بہادر سالار جنگ ثانی مدار المہام ہونے کے بعد اپنے باپ کے
مستقل معتمد منیر نواز جنگ مولوی مہدی علی خان صاحب بہادر کو اپنا معتمد [illegible]

اور ۱۸۸۴ء میں انکو معتمد فنانس و پولٹیکل کیا گیا۔ اس وقت گویا منیر نواز جنگ کے
اوج اقبال کا ستارہ نصف النہار پر تھا۔ اس عہدہ کے تحت میں ریاست کے
تمام محکمہ جات پر افسری حاصل ہوئی اور برٹش گورنمنٹ اور نظام گورنمنٹ کے رسل و
رسائل اور نامہ و پیام بھی انہی کے ذریعہ سے ہونے لگے۔ اور تمام خدمتوں کو عام تعریف
سے انجام دینے پر نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ مولوی مہدی علی خان صاحب
بہادر کا خطاب اور سہ ہزاری کا منصب عطا کیا گیا۔ اور تین ہزار روپیہ ماہوار کی تنخواہ ہوئی
اس ترقی و تقرر کو نظام اسٹیٹ کی تمام پارٹیوں اور تمام امراؤ عہدہ داران نے پسندیدہ
نگاہ سے دیکھا اور ہر دل نے خوشی سے قبول کیا۔

حیدرآباد میں یہ قبولیت نواب محسن الملک ہی کا حصہ ہے جو سوائے ان کے کسی کو
نصیب نہیں ہوئی۔ برٹش رزیڈنٹوں نے بھی ان کو سب عہدہ داروں سے بہتر اور لائق خدمات
کے قابل جانا۔ اور نواب محسن الملک بہادر کی کارفرمائی نے وہ ناموری اور بلند نامی
حاصل کی جو انکا حصہ ہو گئی۔ ایسی جگہ رہکر یہ بات انہیں کو نصیب ہوئی کہ ہندو مسلمان
سنی شیعہ۔ دکنی و آفاقی۔ باہمی دشمن بھی سب ان سے خوش تھے۔

۱۸۷۶-۷۷ء میں جو قحط حیدرآباد دکن کی ریاست میں پڑا اس کی رپورٹ انہوں نے
نہایت قابلیت اور محنت سے لکھی اور کمشنران قحط کے سوالات کے جواب ایک بڑی
رپورٹ میں لکھے۔ جس میں ایک کامل خلاصہ حیدرآباد کے محکمہ مال کی تاریخ کا شامل ہے
نیز انہوں نے سب سے پہلی رویداد گورنمنٹ نظام کے ہر قسم کے محاصل کی مرتب کی۔ جو
۱۲۸۸ ف میں شائع ہوئی۔ یہ کام انہوں نے ایسی محنت اور جفاکشی سے انجام دیا کہ
ان کی صحت میں خلل آگیا۔ اور وہ ایک سال تک ایسے بیمار رہے۔ کہ اس زمانہ
میں اپنے ماتحت سررشتوں کی نگرانی بھی نہیں کرسکتے تھے۔ سر سالار جنگ اعظم
نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے جو ایک نہایت اہم اسکیم اصلاحات کی سر اسٹوارٹ
بیلی کو بھیجی تھی وہ محسن الملک ہی کی دماغی قابلیت کا نتیجہ تھی۔ ان میں سے بعض
اصلاحیں سرسالار جنگ اعظم کی زندگی میں جاری ہو گئی تھیں۔ مگر باقی اصلاحیں

۱۸۸۵ء مین جاری ہوئین ۔ سرسالارجنگ کی وفات کے بعد سر اسٹوارٹ بیلی اور مسٹر جیمس نے محسن الملک کی خدمات عظیمہ کی بڑی قدرشناسی کی اور دونوں نے ان کی لیاقت اور ہزہائی نس کی گورنمنٹ کی نسبت ان کی وفاداری کی بے حد تعریف لکھی۔ سرسالارجنگ ثانی کے عہد مین بھی ان کا وہی اعزاز قایم رہا ۔ جو سرسالارجنگ اول کے عہد مین تھا ۔ اور اس زمانہ مین بھی کوئی اہم کام ملکی و مالی اصلاح کا بغیر ان کی رائے کے نہین ہوتا تھا ۔ جس زمانہ مین وہ فنانشل اور پولٹیکل ڈپارٹمنٹ مین تھے ۔ اُس زمانہ مین ایک جنرل فنانس کمیٹی قایم ہوئی تھی ۔ جس کے وہ سکرٹری مقرر ہوئے تھے ۔ انہون نے ان خدمات کو بھی نہایت عمدگی سے انجام دیا ۔ حیدرآباد کی سب سے پہلی انتظامی رپورٹ انہی کے قلم سے نکلی ۔ جس کے نمونے پر بعد مین رپورٹین لکھی جانے لگین۔

ولایت کی روانگی

بعد چندے نواب لائق علیخانصاحب عہدہ مدارالمہامی سے علیحدہ ہوگئے اور امیر اکبر سر آسمانجاہ بہادر کو مدارالمہام کیا گیا ۔ تو ہرچند کہ اس زمانہ مین نواب وقارالملک مولوی مشتاق حسین صاحب مرجع عام ہوگئے ۔ لیکن خاص کامون مین نواب محسن الملک بہادر کا وقار اپنی حالت پر قایم رہا ۔ اس زمانہ مین نواب محسن الملک بہادر کو معاملہ حیدرآباد دکن مائننگ کمپنی کے متعلق تصفیہ کرنے کیلئے انگلستان بھیجا گیا ۔ نواب فتح نواز جنگ مسٹر مہدی حسن اور مسٹر فریدونجی (جو اب ہزاکسلنسی مدارالمہام کے پرائیویٹ سکرٹری ہیں) ان کے ساتھ کئے گئے ۔ اس معاملہ کو بھی نواب محسن الملک نے بڑی دانشمندی وعاقبت اندیشی سے طے کیا اور نظام گورنمنٹ کو سیکڑون انگریز حصہ دارون کی نالش وفریاد سے بچا لیا ۔ جسکے تعلقات میں سردار دلیر جنگ عبدالحق مرحوم سابق معتمد فوائد وعمارت سرکار نظام نے بڑی پیچیدگیان پیدا کر دی تھیں ۔ اس مقدمہ کی نواب محسن الملک نے لنڈن کی اسپیشل کمیٹی

کے روبرو ایسی قابلیت سے پیروی کی کہ حضور نظام اس انتخاب کی کامیابی سے
بیحد مسرور و محظوظ ہوئے۔ اور محسن الملک پر اور بھی زیادہ اعتماد و اعتبار کرنے لگے
دوران قیام انگلستان میں انہوں نے وہان کے بہت سے مشہور و معروف لوگوں
سے ملاقات کی۔ جن میں سے ایک مسٹر گلیڈسٹن بھی تھے۔ جو اس زمانہ میں انگلستان
کے وزیر اعظم تھے۔ مسٹر گلیڈسٹن محسن الملک سے ملکر ایسے خوش ہوئے کہ ان سے
مرنے تک (سنہ ۱۸۹۸ء) ہمیشہ پرائیویٹ خط و کتابت رکھی۔ مسٹر گلیڈسٹن سے
عالی دماغ شخص کی دوستی ان کی قابلیت کی بہترین ضمانت ہے۔

حیدرآباد سے رخصت

سر آسمان جاہ بہادر کے آخر عہد وزارت میں بعض ناعاقبت اندیش لوگون
کی مخالفت اور آپس کی نفسا نفسی نے تمام پارٹی کو درہم برہم کر دینے کا موقع پایا۔
اور شمالی ہندوستان کے وہ روشن ستارے جو آسمان حیدرآباد پر آفتاب و مہتاب
زحل و عطارد بنکر چمک رہے تھے۔ ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گرنے لگے۔ اور مسٹر ہاؤن
صاحب بہادر رزیڈنٹ حیدرآباد نے ایک دوسری کی مخالفت سے فائدہ اٹھانا
چاہا۔ تاکہ نظام گورنمنٹ کو اپنے شکنجہ میں جکڑنے کا موقع ملے۔ اور اسی عرصہ
میں سر آسمان جاہ کی وزارت کو شکست ہوئی اور نواب اقبال الدولہ کو مدار المہام کرایا
گیا۔ ان کا خیال پہلے سے یہ تھا کہ پرانے عہدہ داروں کے نکل جانے سے ان کی وزارت
کو استحکام حاصل ہوگا۔ اسلئے اون کے تقرر سے پہلے بعض کارروائیاں کر دی گئیں
اور تھوڑے عرصہ میں نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب چیف سکرٹری
مدار المہام اور نواب عماد نواز جنگ مولوی مہدی حسن صاحب چیف جسٹس ہائیکورٹ
اور نواب محسن الملک بہادر معتمد پولیٹیکل و فنانس کو ۱۸۹۳ء میں [illegible] رخصت
کیا گیا۔ ۱۵ اپریل ۱۸۹۳ء کو [illegible] حیدرآباد سے رخصت
ہوئے [illegible]

امرا سے لیکر غربا تک ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ کوئی دستگیر ہوتا تھا۔ کوئی قدم چومتا تھا۔ اور ایسا تو کوئی نہ تھا جو زار زار قطار قطار روتا نہ ہو۔

اسکے بعد نواب سرور جنگ بہادر معتمد پیشی اعلیٰحضرت کا نمبر آیا۔ آخر میں شمس العلما مولوی سید علی صاحب بلگرامی معتمد ریلوے و معدنیات اور جناب مولوی سید علی حسن صاحب ناظم بندوبست ملک محروسہ و رکن مجلس مالگذاری باقی رہے تھے۔ انکو بھی آپس کی نا اتفاقی نے حیدرآباد میں رہنے نہ دیا۔ چنانچہ مولوی سید علی صاحب ولایت چلے گئے اور مولوی سید علی حسن صاحب ریونیو ممبر کونسل ریاست اندور ہیں۔ جو سنٹرل انڈیا کا صدر مقام ہے۔ اور اب تمام عہدے ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور مسٹر ڈاکر صاحب نواب محسن الملک کی جگہ سب کی دیکھ بھال فرماتے ہیں اور بعض لائق دکنی و مدراسی منہ دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتے۔

اصلاح دفاتر

واضح ہو کہ جب نواب سالار جنگ بہادر اول نے محسن الملک کو معتمد مقرر فرمایا تو دفتروں کی یہ کیفیت تھی کہ ہزاروں مثلیں اور لاکھوں کاغذات سیلے کیڑوں میں بے ترتیب پڑے ہوئے بطور انبار کے رکھے جاتے تھے اور افسران محکمہ جات اور اہل عملہ ایسے [illegible] بیٹھے نظر آتے تھے۔ اسی پر محکمہ جات کی دوسری حالتوں کا قیاس کر لیجئے۔ معتمدین و افسروں اور منصبداروں و عہدہ داروں کی تنخواہیں بھی اس درجہ و منصب کی شرائط سے حسب حال نہ تھیں جو عہدہ داران سرکار انگریزی کے مقابل میں گورنمنٹ نظام کی عزت کا اظہار کرسکیں۔ [illegible] عہدہ دار سواریوں سے بھی پابند تھے کہ کس درجہ کے عہدہ دار کو کس درجہ کی سواری اختیار کرنا چاہئے۔

نواب [illegible] انگریزی [illegible] گورنمنٹ [illegible]

کو بہمہ وجوہ آراستہ کیا اور ہر ایک کے مناسب حال تنخواہوں مین اضافہ کرایا۔ اور جو سواری جسکے مناسب حال تھی اُسکے رکھنے کا قاعدہ مقرر ہوگیا اور تمام دفترون کی پڑتال ہوکر تمام مثلون اور کاغذون کی باقاعدہ ترتیب کرائی گئی۔ اور ہر صیغہ کے بستون کے جُدا جُدا رنگ تجویز ہوئے اور تمام محکمون کو میز کرسی اور مناسب درجہ فرنیچر سے آراستہ کیا گیا۔ اور محکمۂ بندوبست نے آپ کی کارگذاری وکارفرمائی سے اسملک مین انتظام عملی کو ایک نئی صورت مین جلوہ گر کیا جس سے نظام اسٹیٹ کی ترقیون مین قابل قدر اضافہ ہوا۔

رعایا کے کام جو سالہا سال سے پڑے ہوئے تھے اُن کے نکالنے میں بہت بڑی جانفشانی کا اظہار کیا۔ مال کے کامون میں حیرتناک قابلیت ظاہر کی جسپر سالار جنگ جیسے مدبر نے آپ کو لاثانی معتمد مان لیا پھر عماد السلطنت نواب لائق علیخان کے عہد وزارت مین نظام گورنمنٹ کے مالی اور ملکی کامونکو جو شہرت مزید حاصل ہوئی۔ وہ سب نواب محسن الملک کے عام پسند طرز عمل اور کارروائی کا نتیجہ ہین۔

سر لیپل گرفن کے پمفلٹ کا جواب

سر آسمانجاہ کے زمانہ وزارت مین جب نواب محسن الملک بہادر کو انگلستان بھیجا گیا۔ تو وہان برٹش گورنمنٹ کے مشہور پولیٹیشن سر لیپل گرفن سے (جنہون نے امیر عبدالرحمن خان کو تخت نشین کابل کیا تھا۔ اور جو سنٹرل انڈیا کے مشہور رزیڈنٹ رہ گئے تھے) ملنے کا اتفاق ہوا۔ سر لیپل گرفن نواب صاحب سے ملکر ایسا خوش ہوئے اور نواب صاحب کی باتون کو انہون نے ایسا قابل قدر خیال کیا کہ وہ تمام ہندوستان مین صرف نواب محسن الملک اور خلیفہ محمد حسین خان صاحب مرحوم سابق وزیر اعظم پٹیالہ کے کامونکو تعریف کا مستحق خیال کرتے تھے باقی بس۔

اُسی زمانہ مین انہیں گرفن صاحب کے رزیڈنٹ حیدرآباد ہونے کی

خبر شایع ہوئی تھی اور سر لیپل گریفن نے حیدرآباد کی بد انتظامیوں پر ایک پمفلٹ چھپوایا تھا۔ اس پمفلٹ نے پولیٹکل دماغوں میں ایک غیر معمولی اثر پیدا کر دیا تھا۔ کیونکہ سر لیپل گریفن جیسے عہدہ دار کا پمفلٹ کوئی معمولی کاغذ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وہ ایک ایسی تحریر تھی۔ جس پر رزیڈنٹی حیدرآباد اور فارن آفس سے لیکر وزیر ہند تک کا خیال رجوع ہوا۔ مگر نواب محسن الملک بہادر نے بڑی جسارت سے اس پمفلٹ کا جواب دیا۔ اور نظام گورنمنٹ کی طرف سے سر لیپل گریفن کے ایک ایک اعتراض کی تردید کی۔ نواب محسن الملک کی یہ تردید نہ صرف ہندوستان کے انگریزی اخباروں بلکہ انگلستان کے معزز اخباروں میں چھاپی گئی۔ اور نیز پمفلٹ کی صورت میں شایع ہوئی۔ جس نے انگریزی خیالات سے اُس اثر کو دور کیا۔ اور پھر سر لیپل گریفن نے بھی اُس لاجواب جواب کو دیکھکر قلم نہیں اٹھایا۔ اور نہ کسی انگریزی اخبار نے نواب محسن الملک کی تحریر کے خلاف کچھ لکھا۔ اگر نواب محسن الملک کی یہ تحریر نہ شایع ہوتی۔ تو ممکن تھا کہ سر لیپل گریفن کا وہ پمفلٹ دفتر رزیڈنٹی حیدرآباد اور فارن آفس میں رہکر نظام گورنمنٹ کی سرگرانی کا باعث ہوتا۔

نواب محسن الملک کی ذمہ داریاں

نواب محسن الملک کو اپنے عہد ملازمت میں چار قسم کے کام پیش آئے۔ ایک وہ جو بلا واسطہ اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ سے منسوب ہیں۔ دوسرے وہ جو نظام گورنمنٹ پر اثر ڈالتے ہیں۔ تیسرے وہ جو نظام اسٹیٹ کے ملازموں اور عہدہ داروں پر مؤثر ہوتے ہیں۔ چوتھے وہ جنکا اثر نظام کی رعایا پر پڑتا ہے۔ ان چاروں قسموں کو نواب محسن الملک نے اپنے اپنے مقام پر نہایت اعلےٰ درجہ کے مدبرانہ اصول کا پابند رکھا۔ چنانچہ امر اوّل کی نسبت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ رزیڈنٹ حیدرآباد نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ وہ حضور نظام کے کاموں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ چونکہ اسوقت میں اعلیحضرت کی پیشی سے معمولی کام نہ ہوتے تھے اسلیے بعض

طبیعت کو حیرانی ہوئی کہ رزیڈنٹ کی اس خواہش کا کیا جواب دیا جائیگا۔ لیکن نواب محسن الملک نے الفور آمادہ ہوئے۔ اور جواب دیا کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر جہان مناسب سمجھیں تشریف لائیں میں اعلیحضرت بندگانعالی کے کامون کا ملاحظہ کراؤنگا چنانچہ چوم حلہ مبارک پر صاحب رزیڈنٹ نے اپنے آنے کا وقت مقرر کیا۔ ادہر سے نواب محسن الملک نے نہایت اعلےٰ درجہ کی مجلد کتابیں میزون پر چنوادین۔ جب صاحب رزیڈنٹ تشریف لائے تو ان سے ظاہر کیا کہ یہ سب کتابیں اعلیحضرت کے فرامین سے بہری ہوئی ہیں۔ اور واقعی ان کتابون میں حضور پرنور کی طرف سے لکھے ہوئے متعدد رقعے پرچے یا چوبدارون کے لیجائے ہوئے زبانی احکام درج تھے۔ جو وزیر یا دفتر پلیٹکل و فنانس کے نام جاری ہوئے۔ اور نواب محسن الملک نے انکو نہایت تعظیم و ادب سے مجلد کراکر زیب دفتر کیا تھا۔ انکو دکھلا کر صاحب رزیڈنٹ پر ظاہر کیا کہ ان کتابون کے ایک ایک پرچہ سے اعلیحضرت کی بیدار مغزی اور شاہانہ کارفرمائی کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ صاحب رزیڈنٹ ان جلدونکو دیکھکر متعجب ہوئے۔ اعلیحضرت نے محسن الملک کی اس کارروائی پر اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی۔ کاش نواب محسن الملک کو ایسا موقع ملتا۔ جیسا کہ آجکل اعلیحضرت بنفس نفیس امور جہانداری کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ محسن الملک کی بعض بلند خیالیان جو وزیرون کے سبب سے دل کی دل اور دماغ کی دماغ میں بند رہین وہ اعلیحضرت کے سامنے ظاہر ہوتین۔ اور اعلیحضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کو پورے طور سے محسن الملک کی لاثانی قابلیت کا حال معلوم ہوتا۔ بعد پنشن لینے کے بھی نواب محسن الملک کو جب کوئی موقع اعلیحضرت کی بلند نامی کا ملجاتا تھا۔ تو وہ اسکو نہ صرف اپنا ذریعہ فخر و مباہات سمجھتے تھے بلکہ وہ خیال کرتے تھے اپنے آقا کے نعمت کا ایک فرض ادا کر رہے ہیں جیسا کہ محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسون میں بعض شکرگذاری کی تقریرون سے ظاہر ہوتا ہے۔ یا حضور پرنس اور پرنسس آف ویلس اور ہز مجسٹی امیر کابل کی تشریف

مدرسۃ العلوم اور قبول دعوت کے موقع پر ان شاہی مہمانون کا نظام میوزیم مین ٹھہرانا اور اعلےٰ حضرت کی قد آدم تصویر نمایان کرنا و دیگر علےٰ ہذا القیاس۔

دوسری قسم کا کام جو نظام گورنمنٹ پر اثر ڈالتا اسکی نسبت ہمیشہ ایک خاص غور و مشورت سے کام لیا اور جو بات حال یا آئندہ کے لئے نظام گورنمنٹ کو نقصان پہنچانے والی معلوم ہوئی اسکی نسبت حکمت یونانیہ کے اعلےٰ اصول کا برتاؤ کیا - یعنی جیسے حکمت یونانیہ کا اصول ہے کہ نسخہ مین کوئی دوا ایسی نہ رکھی جاوے - جو مریض کو نقصان کرنے والی ہے - اور اگر ضرورت خاص سے رکھی جاوے تو اسکا مصلح تجویز کر لیا جاوے اسی اصول کی محسن الملک نے پابندی کی - یہی سبب ہے کہ محسن الملک کے زمانہ کارفرمائی تک نظام گورنمنٹ ہر قسم کی ذمہ واری و خدشات سے جو بعد کو پیش آئے محفوظ رہی۔

تیسرے امر کے متعلق نواب محسن الملک نے کبھی کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے عام ملازم بددل و ناراض ہوئے ہون یا ان پر اس کام کا ناگوار اثر پڑتا ہو۔

چوتھے امر کے متعلق محسن الملک نے ہمیشہ رعایا کی آسودگی اور رفاہ عام پر انہین مجربہ اصول کی پابندی کی ہے - جو گورنمنٹ انگریزی کے ممالک ملحقہ مین برتے جاتے ہین - اور جو ہمیشہ بادشاہ کی نیکنامی اور تعریف اور گورنمنٹ کے حسن انتظام کا ذریعہ ہو سکتے ہین - اور اسی لئے حیدرآباد کی رعایا بھی نواب محسن الملک کے کامون کی معترف پائی جاتی ہے - قصہ مختصر تین کروڑ کی آمدنی اور ایک کروڑ دس لاکھ کی آبادی کے ملک کا اس حسن خوبی اور عام تعریف سے کام کرنا اور پولٹیکل خدمات کو اس دوراندیشی و خیرخواہی سے انجام دینا نواب محسن الملک پر ختم ہو گیا - اور نواب محسن الملک کے بعد وہ درجہ کسی ملکی یا غیر ملکی کے حصہ مین نہین آیا۔

نواب محسن الملک بہادر کی آمدنی

نظام گورنمنٹ نے اپنے مشہور آفاق معتمد نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان صاحب کو آٹھ سو روپیہ ماہوار کی پنشن عطا فرمائی تھی اور آٹھ روپیہ

ان کی کوٹھی کا کرایہ آتا تھا۔ جس سے وہ اپنی بلند نامی کی عزتوں کو سادے رہتے اور چھ کروڑ مسلمانوں کی رہنمائی اور انکی تعلیم و ترقی کا بہت بڑا کام کرتے رہتے تھے نواب صاحب نے اپنا تمام اندوختہ اور آمدنی کے تمام ذرائع حین حیات ہی اپنی بی بی نورجہاں مہدی بیگم کے نام منتقل کردیئے تھے۔ اور ان کا تمام پرائیویٹ خرچ بیگم صاحبہ کی ہی رائے سے ہوتا تھا۔ اگرچہ آپ اپنے ذرائع آمدنی کے لحاظ سے وہ بہت بڑے آدمی نہ تھے مگر ان کی لاثانی قابلیتوں نے اونکو دوسرا سرسید ثابت کیا تھا۔ تمام قوم نے اونکو اپنا اعلےٰ لیڈر تسلیم کرلیا تھا۔ اور گورنمنٹ ان کے کاموں کو عزت سے دیکھتی اور اونکی قدر کرتی تھی۔ چند سال میں دس لاکھ روپیہ کا سرمایہ جمع کرلینا۔ لیڈروں کی تعداد میں وہ چند ترقی ہوجانا۔ نظام میوزیم اور آسمان منزل وغیرہ عالی شان عمارتوں کی تعمیر حضور پرنس اور پرنسس آف ویلس اور ہز ہائینس امیر کابل کی تشریف آوری اور قبول دعوت یہ سب عالی دماغ و روشن خیال محسن الملک کی تدبیرات صائبہ ہی کے نتائج تھے۔

سید اور محسن الملک

اب چونکہ ہم نواب محسن الدولہ محسن الملک منیر نواز جنگ مولوی سید مہدی علی خان بہادر کی زندگی کے اس زمانہ پر پہنچ گئے ہیں۔ کہ وہ سرکار نظام سے پنشن لیکر چلے آئے ہیں۔ اور اب ہمہ تن قومی خدمات میں منہمک ہونگے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم ان کی قومی خدمات کا کچھ ذکر کریں ان کے اور سرسید غفرلہ کے تعلقات بھی اپنے ناظرین کے ذہن نشین کردیں۔ کیونکہ محسن الملک کی عظمت اسی برگزیدہ ذات کے فیضان صحبت کا نتیجہ تھی جس نے بہت سے گمنام ذروں کو شہرت کے نصف النہار پر آفتاب عالمتاب بناکر چمکا دیا۔

سرسید اور مولوی سید مہدی علیخان بہادر کی پہلی ملاقات علیگڈہ ہی میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک موقع پر سرسید کا ذکر خیر کرتے وقت کہا تھا۔ کہ میری

ان سے (سرسید سے) پہلی ملاقات ۱۸۶۳ء میں ہوئی تھی"۔ روشناس ہونے سے
پہلے خط و کتابت اور تحریری مذہبی مباحث شروع ہو گئے تھے۔ سرسید نے جب
اپنی کتاب تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام (مرتبہ ۱۲۷۸ھ)
شائع کی تو مولوی سید مہدی علیخان کو اسکا دیباچہ دیکھکر ایسا جوش آیا کہ باوجود
جان پہچان نہ ہونے کے انتہائی جوش و خروش میں انہوں نے سرسید کے دیباچہ
مذکور کے برخلاف ایک طول طویل خط لکھکر بھیجا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولوی سید
مہدی علی اٹاوہ میں کلکٹر تھے۔ اس خط میں انہوں نے سرسید کو عقاید اسلامیہ سے
منحرف بتایا تھا۔ پھر ایک اور زبردست مباحثہ دونوں کے درمیان ہوا۔ اسکے
بعد جب سرسید کے پاس علیگڈہ جانا ہوا اور ان کے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ
نماز پڑھ رہے ہیں۔ دل میں خدشہ تو تھا ہی۔ یہ سمجھے کہ جدھر سرسید نماز پڑھ
رہے ہیں یہ قبلہ کا رخ نہیں ہے۔ جب وہ نماز پڑھ چکے تو اپنا شبہ ظاہر
کیا۔ سرسید نے یہ آیت پڑھی "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"۔ جب اس
پر خوب بحث ہو چکی تو سرسید نے کہا میں نے اس کوٹھی کو ٹھیک قبلہ رخ بنایا
ہے۔ پھر کمپاس لگا کر ان کو اپنے کہنے کا یقین دلایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سرسید
کی سچائی کا نقش ان کے دل میں بیٹھا۔ اسی ملاقات کے دوران میں سرسید نے
مسلمانوں کی ترقی کی نسبت انہیں اپنی عظیم الشان اسکیم سنائی جسے سنکر وہ
سرسید کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ سرسید کی دوستی و رفاقت میں از ہمہ بگذشت۔ سرسید
کے ساتھ مخالفانہ بلکہ معاندانہ تعلقات کا انہوں نے بمقام علیگڈہ اپنی ایک تقریر
کے اندر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"صاحبو! میں جب ان دنوں کو یاد کرتا ہوں تو ایک عجیب حالت مجھ پر
طاری ہوتی ہے۔ اور اس زمانہ کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے
صاحبو! مجھ پر دونوں حالتیں گذر چکی ہیں۔ حضرت (سرسید کی طرف اشارہ ہے
کیونکہ سرسید اسوقت بقید حیات اور جلسہ میں شریک تھے) کی مخالفت اور موافقت

دونون کا مزہ مین چکھ چکا ہون۔ مجھے دونون فرقون مین شریک ہونے کی عزت
حاصل ہے۔ اوّل اُس مخالف فرقہ مین جو نیچری خیال سے آپ کو بُرا جانتا تھا۔
پھر اُس فرقہ مین جو آپ کے خیالات پر ہنستا تھا۔ بلکہ اگر مین یہ کہون کہ دونون
فرقون مین میرا ہی نمبر اول تھا۔ تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔ حضرت کی تکفیر کا فتوےٰ لینے
مین سب سے اوّل آپ ہی کے پریسیڈنٹ نے دیا (اپنی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ وہی
صدر جلسہ تھے) اور انجیل کی تفسیر لکھنے پر سب سے اول آپ ہی کے میر مجلس نے آپکو
چھپا پادری کہا۔ یہ وہی علیگڈہ ہے۔ جہان سب سے اوّل فقیر ہی نے حضرت کو
تبیین الکلام کے لکھنے پر ملامت کا ایک بڑا لمبا خط بھیجا۔ پھر یہی وہ مقام ہے
جہان یہ نادان دین اور دل دونون حضرت کے نذر کر گیا"

رشتہ محبت و وداد قائم ہونے کے بعد مولوی مہدی علی خان نے جس
سرگرمی سے سرسید کے مشن کی خدمت کی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ قیام انگلستان
کے زمانہ مین سرسید کو ایک کتاب چھپوانے مین چھپائی کی مشکلات پیش آئین تو سرسید نے
انہیں ایک خط مین لکھا تھا۔ اب تک [illegible] اور [illegible] قرض نہ لیا تھا [illegible]
متعسر ہے۔ یہ تو واقعات ایسے جانکاہ ہیں کہ بیان نہین ہو سکتے۔ مولانا حالی کی
حیات جاوید مین مولوی سید مہدی علی خان کو سرسید کی رفقائے مشن کی گاڑی کے
ہانکنے مین برابر کی جوڑ" قرار دیا ہے۔ سرسید کو ان کی تائید سے بہت تقویت
ہوئی تھی۔ اور اسپر وہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی نہایت کامیاب کوشش ابطال
استرقاق کی نسبت سرسید نے لکھا تھا۔ کہ تین مسئلون مین تمام اور سید مہدی علی
متفق ہین۔ انہی مین سے ایک یہ ہے کہ اسلام مین رقیت نہین ہے۔ سرسید
جب ولایت سے ہندوستان آنے کو ہوے تو مولوی مہدی علیخان کو اپنے آنے
کی اطلاع دی ہے۔ اس خط مین تحریر کیا ہے مین چوتھی یا پانچوین کو الہ آباد پہنچکر
آپ کے دیدار فرحت آثار سے مشرف ہونگا۔ اور آپ کے قدمون کو مثل تلمیذ
بوسہ دونگا۔ اگرچہ آپکے قدم میرے ناپاک لبون سے ناپاک ہو جاوینگے مگر آپکے

کہ آپ مرحمت کرکے دھولیں گے۔ خنزیر خود ناپاک ہے مگر جس پاک چیز کو وہ مس
کرے دھونے سے پھر پاک ہو جاتی ہے۔ افسوس میں نے غلطی کی جو اپنے تئیں
خنزیر سے تشبیہ دی۔ وہ تو مجھ سے بہت اعلیٰ ہے۔ خدا نے اس کو یاد کیا ہے
مجھے تو سوائے مہدی علی کے اور کوئی یاد بھی نہیں کرتا۔" مولانا حالی حیات جاوید
میں فرماتے ہیں کہ سید مہدی علی کو ہمیشہ ان [سید] کے عتاب آمیز خط جاتے تھے۔ چنانچہ
سرسید خود ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "مہدی کو سوائے غصہ اور خفگی کے کبھی کچھ نہیں
ملا" باوجود اس کے سید مہدی علی کا معاملہ ان کے ساتھ شمع و پروانہ کا سا تھا۔

ایک عجیب مگر دلچسپ واقعہ

پہلے مسلمانوں کو انگریزوں سے بڑی کبیدگی تھی۔ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھانا
یا چھری کانٹے کا استعمال ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ سرسید نے اس کے متعلق ایک رسالہ
احکام شرعی کے موافق شائع کیا۔ اور جب سرسید ولایت جانے لگے۔ تو انہوں نے اس خیال
سے کہ انگریزی طریقہ پر کھانا کھانے سے تجربہ اور انسیت ہو جائے قیام بنارس کے زمانہ میں معمول بنا لیا
تھا کہ مسٹر اسمیتھ جو بنارس میں ایک سوداگر تھے۔ اور سرسید کی کوٹھی سے ان کی
کوٹھی ملی ہوئی تھی۔ ایک دن شام کا کھانا یہ ان کے گھر پر جا کر کھاتے تھے اور ایک دن
وہ ان کے گھر پر آ کر کھاتے تھے سرسید کہتے تھے کہ

> اتفاق سے انہیں دنوں میں مولوی سید مہدی علی خان مرزاپور سے بنارس مجھ
> سے ملنے کو آئے۔ رات کا وقت تھا اور میرے یہاں کھانے کی باری تھی۔ ہم
> دونوں میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ مہدی علی آ پہنچے۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ
> مولوی مہدی علی نے ایک مسلمان کو ایک انگریز کے ساتھ کھانا کھاتے دیکھا تھا
> سخت نفرت ہوئی اور باوجود میرے ہاں مہمان ہونے کے کھانا نہ کھایا اور کہا کہ
> میں کھا چکا ہوں۔ صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اسی وجہ سے کھانا نہیں
> کھایا۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کو یہ طریقہ ناپسند ہو تو دوسرا بندوبست کیا جائے۔

انہون نے سوچا کہ شرعاً تو ممنوع نہیں ہے صرف عادت کے خلاف دیکھنے سے نفرت ہوئی ہے آخر قبول کر لیا۔ اور سب سے پہلی دفعہ دن کا کھانا میرے ساتھ میز پر کھایا۔ اور پھر ایک بحث و حجت کے بعد رات کو مسٹر سایتھ کے ساتھ شریک ہوئے پھر مرزا پور کو واپس چلے گئے یہ حال ایک صاحب نے میرے ایک مہربان دوست کو اٹاوہ مین لکھ بھیجا انہون نے تمام شہر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ مہدی علی کرسٹان ہو گئے۔ اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ مولوی صاحب کے گھر پر حلال خور نے کمانا سقے نے پانی بھرنا اور سب نگے بندھون نے آنا جانا چھوڑ دیا۔ تب گھر والون نے ان کو لکھا کہ تمہاری بدولت ہم پر سخت تکلیف گزر رہی ہے۔ تم جلدی آؤ اور اس تکلیف کو رفع کرو۔ آخر کار مولوی مہدی علیخان صاحب نے انہیں بزرگ کو حلت طعام اہل کتاب کے باب مین ایک طویل خط لکھا اور پھر خود اٹاوہ میں آئے اور سب کو سمجھایا کہ مین کرسٹان نہین ہون جیسا پہلے مسلمان تھا۔ ویسا ہی اب ہون۔ اور بڑی مشکل سے لوگون کا شبہہ رفع کیا۔

لیکن شیعہ بھائی جو پہلے سے تبدیل مذہب پر جلے بیٹھے تھے۔ اور وہ مولوی صاحب کے سنی ہو جانے سے دل ہی دل مین کڑھ رہے تھے۔ انہین ایک شگوفہ ہاتھ آیا۔ اور اس پردہ مین انہون نے اپنے دل کے خوب بخار نکالے لیکن مولوی مہدی علی خانصاحب کی خداداد ترقیات نے ان باتون کو دبا دیا۔ اور زمانے کے نئے دور نے سیکڑون رئیسون اور شریفون کو صاحبان انگریز کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ دیکھکر اس خیال پر توجہ کرنا چھوڑ دی۔

شادی اور اولاد

نواب محسن الملک کی دو شادیان ہوئی تھین۔ پہلی شادی خاندان ہی میں اور غالباً اس زمانہ مین ہوئی تھی جب کہ وہ اٹاوہ کے تحصیلدار تھے۔ اس قبیلہ سے ایک لڑکا بھی ہوا جسکا نام مظہر علی تھا۔ مگر افسوس ہے کہ بیوی اور بچہ دونون کا انتقال

ہو گئیا۔ دوسری شادی انہون نے غیر کفو مین حیدرآباد کی ملازمت کے زمانہ مین کی ان بیگم کا نام پہلے نورجہان تھا۔ مگر شادی کے بعد نورجہان مہدی بیگم ہو گیا۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ نواب محسن الملک کو ان سے بہت انس تھا اور اپنا تمام روپیہ وغیرہ انہی کے نام منتقل کر دیا تھا۔[۱]

حلیہ

نواب محسن الملک کا رنگ نہایت سرخ سپید تھا۔ قد اوسط سے کسی قدر کھچا ہوا تھا۔ جوانی مین وہ اپنی وضع سے بالکل یورپین معلوم ہوتے تھے۔ اعضاء تمام متناسب تھے۔ آنکھین بڑی بڑی۔ چمکدار اور فراست جسم کی علامت۔ مولانا شبلی لکھتے ہین "ظاہری صورت و شان سے بھی خدا نے اُن کو کافی حصہ دیا تھا۔ اُن کے چہرہ سے شان ٹپکتی تھی۔ اور گو وہ سید تھے۔ لیکن تاتاری اُستخوان کا دھوکا ہوتا تھا"

محسن الملک بحیثیت ایک مصنف اور مقرر کے

نواب محسن الملک کو جس طرح کتابون کے مطالعہ کا شوق ہمیشہ سے تھا اسی طرح وہ تصنیف و تالیف کی جانب بھی ابتدا ہی سے مائل تھے۔ سرکاری ملازمت کے زمانہ مین (غالباً جب وہ اٹاوہ مین تحصیلدار تھے) انہون نے مال و فوجداری کے متعلق نہایت اعلےٰ درجہ کے رسالے بزبان اردو تصنیف کئے تھے۔ جب شیعہ سے سُنی ہوئے تو کتاب آیات بینات تصنیف کی جس کی دھوم ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے تک مچ گئی۔ سُنا ہے کہ ابتدا مین یہ کتاب جب ؔ جزاً جزاً چھپ کر بطور رسالہ شائع ہوا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی رسالے اُن کی تصنیف ہین۔ مثلاً تقلید اور عمل بالحدیث۔ (اول اول تہذیب الاخلاق کے ساتھ ۱۸۹۸ء مین نکلا تھا) کتاب المحبة والشوق جو امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کے باب کتاب المحبة سے ماخوذ ہے۔ اور

[۱] ان کا بھی انتقال بمقام حیدرآباد دکن ماہ فروری ۱۹۰۸ء مین ہو گیا۔ سینہ پر پھوڑا ہو گیا تھا جس مین کئی بار شگافت دیا گیا۔

اس میں جا بجا مثنوی مولانا روم کے اشعار و حکایات اضافہ کرکے کتاب کو نہایت دلچسپ بنا دیا ہے۔ سرسید علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد محسن الملک نے ان کی تفسیر کو پورا کرنے کا بھی ارادہ کیا تھا۔ اور علیگڈھ کالج کی ایک مبسوط تاریخ لکھنی چاہتے تھے۔ مگر کالج کے کاموں سے انہیں اتنی فرصت نہ ملی۔ اور اس بے حد مفید کام کا ارادہ ان کے ساتھ قبر میں دفن ہو گیا۔ ان کی مضمون نگاری کی ابتدا سرسید کے مذہبی مضامین کے جوابوں سے ہوئی تھی۔ اور چونکہ طرز تحریر نہایت پراثر اور دلنشین اور نفس مضمون نہایت پر مغز ہوتا تھا۔ اس لیے سرسید کے تمام مخالف نگاروں میں غالباً سب سے زیادہ عسیر الفتح نواب محسن الملک ہی تھے۔ لیکن جب سرسید نے اپنی غیر معمولی اور مافوق الفہم کشش کے ساتھ انہیں اپنے اندر جذب کر لیا تو نواب محسن الملک نے رہوار قلم کا رخ پھیر دیا اور سرسید کی حمایت میں وہ مضامین لکھے کہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل مچ گئی۔ اور وہ نیچری بلکہ کرسٹان کہلانے لگے۔ تہذیب الاخلاق کے چلانے میں نواب محسن الملک کی سرگرمی صرف سرسید سے دوسرے درجہ پر تھی۔

مولانا حالی بدنظر لکھتے ہیں۔ کہ "زیادہ تر اس تہذیب الاخلاق کے مقبول ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس کے مضامین کا جزو اعظم سرسید کی دلنشین تحریریں اور سید مہدی علی خان کے دلنشین آرٹیکل تھے۔ سرسید کی تحریر کی نسبت یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ اس کے دیکھنے کے بعد آدمی اپنے عقیدہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ سید مہدی علی خان کی تحریروں پر بھی لوگ سر دھنتے تھے۔" ان کے مضامین اور لکچر ان تحریروں میں شمار ہوتے ہیں جن سے اردو لٹریچر میں ایک معقول اضافہ ہوا ہے۔ "ایک اور موقعہ پر مولانا حالی نے لکھا ہے کہ "...... سید مہدی علی خان قدیم تہذیب الاخلاق میں گویا سرسید کے برابر کے شریک تھے۔ اور اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ جو لٹریری خوبیاں ان پرچوں سے مترشح ہوتی ہیں۔ ان کو صرف سرسید کی تحریرات سے منسوب کیا جائے...... کمیٹی خواستگار تعلیم مسلمانان ہند نے جو انعامی رسالے لکھوائے تھے ان میں نواب محسن الملک ہی کے رسالے نے اول نمبر کا انعام حاصل کیا تھا۔

وہ جو کچھ لکھتے تھے نہایت معتبر و مستند ذرائع سے لکھتے تھے۔ تہذیب الاخلاق کے مضامین لکھنے میں۔ باوجودیکہ ان کی صحت ہمیشہ نازک حالت میں رہی۔ وہ اس قدر منہمک ہو گئے تھے۔ کہ سرکاری کاموں میں حرج ہونے لگا تھا سنا ہے کہ ان کے ایک افسر نے سرسید کو لکھا بھی تھا کہ "مہدی علی کو سمجھاؤ وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوں۔ ورنہ رپورٹ کرنی پڑے گی" مولانا شبلی نواب محسن الملک کی نسبت لکھتے ہیں "کہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی مشاہیر کے ہم سر تھے۔ ان کا ایک لٹریچر ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قوت تقریر میں بھی وہ نہایت ممتاز تھے" اب ہم ان کی تحریر کے چند نمونے دکھاتے ہیں۔ جن سے ناظرین کو ان کی طرز ادا کے سمجھنے میں آسانی ہو گی:۔

ایجی ٹیشن میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے شریک ہونے کے متعلق وہ لکھتے ہیں:۔

"ایجی ٹیشن جس کو ہم عموماً کیا ہندو اور کیا مسلمان دونوں کے لئے مضر سمجھتے ہیں بالفرض وہ اختیار بھی کیا جائے۔ تو کوئی ہم کو ہاتھ کی انگلیوں کے برابر بھی سارے ہندوستان میں ایسے مسلمانوں کا نام بتلائے جو دادا بھائی نوروجی کیسی ہمت رکھتے ہوں یا ان میں سریندر ناتھ بنرجی کی طرح تقریر اور تحریر کی قابلیت ہو۔ یا فیروز شاہ مہتہ کی طرح جرأت اور قوت رکھتے ہوں۔ یا ٹاٹا کی طرح تیس لاکھ روپیہ قومی کام میں دینے کا ان میں حوصلہ ہو۔ جب ہم میں نہ ہمت ہے۔ نہ قومی کاموں میں فیاضی۔ نہ قوم کے ساتھ ہمدردی۔ اور نہ سوائے باتیں بنانے اور ہائے واویلا کرنے کے کام کرنا جانتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ہم ہندوؤں کی تقلید کریں تو ہم کب کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو جانے دو اگر ہم اپنے ملک کے ہندو اور پارسی اور بنگالی بھائیوں کی سی لیاقت اور جرأت پیدا کریں۔ اس وقت ہم بھی اگر [illegible] تو گو وہ بھی ایک غلطی ہو گی مگر [illegible] ہندو بھائیوں کی طرح اپنے کام میں [illegible] رہیں گے۔ اور [illegible]

تو پھر ایسے بڑے ارادے کرنے اور قوم کو خطرہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے۔
در کفر ہم کامل نہ زنار را رسوا مکن۔"

رسالہ "تقلید و عمل بالحدیث" میں (ایک فرضی غیر مقلد کی زبانی) لکھتے ہیں:۔

"سنو ہم تو اسی روز سے آپ کے کفر کے فتوے کے منتظر ہیں۔ جب سے ہم نے قرآن و حدیث کو اپنا متمسک بنایا اور زید و عمر و کو چھوڑا اور پابندی رسم کی ترک کی حضرت خدا کے نزدیک کافر ہونا چاہیئے وہ اگر ہمارے کفر کا فتویٰ دے تو البتہ ہم کو نقصان ہے ورنہ اگر دنیا کے بنانے سے ہم کو کافر کہیں اور خدا کے ساتھ ہمارا معاملہ راست راست ہو اور اسکے اور اسکے رسول کے پیچھے ہم کافر بنائے جاویں تو اس کفر پر ہمارے ہزار ایمان قربان اور ہزار اسلام تصدق ہیں اور بڑے بڑے امام اور اچھے اچھے ولی اور نامی نامی محقق ہمارے اس کفر کے شریک ہیں اور یہ آپ کا فرمانا کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو دین برباد ہو جائے موجب صد ہزار حیرت ہو کر حدیث پر عمل کرنے میں دین کی بربادی کیا ہوگی اگر آپ کے نزدیک حدیث پر عمل کرنے سے دین برباد ہوگا تو وہ دین جسکا مدار سوائے قرآن و حدیث کے اور کسی پر ہو اسکا برباد ہی ہونا بہتر۔"

تعلیم کو قومی عزت کا ذریعہ قرار دیکر وہ لکھتے ہیں:۔

"ہم نے مانا کہ ہم مسلمانوں کو اب علوم و فنون کے ایجاد کرنے کی قوت اور کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے موافق علوم کے مدرسے جاری کرنے کی قدرت باقی نہیں رہی بلکہ کسی ادنیٰ درجہ کی تعلیم کے واسطے بھی ابتدائی مدارس کے مقرر کرنے کی ہمت نہیں ہے لیکن وہ کون سی چیز ہے جو سرکاری کالجوں اور گورنمنٹ اسکولوں میں جانے کے لئے مسلمانوں کے لڑکوں کے پاؤں کی زنجیر ہے اور وہ کون سی بات ہے جو ان کو اس ابتدائی تعلیم کے حاصل کرنے کی مانع ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ سب کے سب آنکھ پر پردہ غفلت کا ڈالے ہوئے اور منہ پر خاموشی کی مہر لگائے بیٹھے ہیں۔ نہ کسی کے دل میں تعلیم کے موانع کا خیال آتا ہے نہ کوئی زبان اپنی اس علمی تنزلات کے اسباب بیان کرنے کے لئے کھولتا ہے سب کے سب چپ چاپ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"عزت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جسکا آخری پیرا ہے۔

پھر اگر ہماری قوم نے سوچ سمجھ کر کچھ رسمیں جاری کی ہوتیں ان کی برائی بھلائی تحقیق کر کے ان پر عامل ہوئی ہوتی تو بھی کچھ کہنا ان کا لائق لحاظ کے ہوتا۔ پر افسوس ہے کہ وحشیانہ تمدن اور عامیانہ چلن نے جاری ہونے سے پہلے اس کا لحاظ نہ کرایا اور اب نادانی اور جہالت نے تحقیق سے منع کر دیا لیکن جو لوگ اب اس کی تنقیح پر متوجہ ہیں اور جن کو ہماری قوم نہایت ہی ذلت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ امید ہے کہ اپنی محنت کا ثمرہ پاویں اور ان کی سچی عزت اُن کے مخالفون کے دل میں ایسی سما جاوے جیسے کہ روشنی ایک تاریک گھر میں جبکہ اس کا بند دروازہ توڑ دیا جاوے۔"

اپنے کسی عزیز کو ایک خط لکھا ہے جس کا یہ شروع کا حصہ پڑھنے کے لائق ہے:-

"خط تمہارا آیا۔ حال معلوم ہوا۔ میری کیفیت کیا پوچھتے ہو۔ عیان راچہ بیان۔

یک سینہ و صد ہزار شعلہ — یک دیدہ و صد ہزار باران

تم نے پوچھا ہے کہ تہذیب الاخلاق میں مضمون لکھنا کیوں ترک کیا۔ کیا سید صاحب سے مخالفت کی یا کفر کے فتووں سے ڈر گئے۔ عزیز من نہ میں سید صاحب سے مخالف ہوا نہ کفر کے فتوون سے ڈرا۔ بلکہ میرے سکوت کا اصلی سبب تم کو معلوم ہے کہ قطع نظر جانی صدموں کے کئی مہینے سے ایسا بیمار رہا ہوں کہ لکھنا پڑھنا دشوار ہے۔ روزمرہ کا کام بھی بمشکل دوسروں کی مدد سے کرتا ہوں۔

عزیز من سید صاحب سے مخالفت کا زمانہ گذر گیا۔ اب اس خیال کو جانے دو کہ پھر وہ زمانہ آویگا۔ انا احمد واحمد انا۔ نحن روحان حللنا بدنا۔

کفر کے فتوون کا ڈر عامیوں کو ہوگا جن کا ایمان برادری کے حقہ پانی پر ہے۔ نہ ان مردوں کو جو اسلام کی حقیقت اور کفر کے فتوے دینے والوں کی حقیقت جانتے ہوں۔ وہ تو ان باوہی کا عقیدہ [illegible] مغرب اور [illegible] مشرق کو اٹھتے چھوڑ ہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور [illegible] کے برابر بھی اسکی وقعت نہیں سمجھتے اُن کے نزدیک خدا نے اپنی جنت و دوزخ ان کافر کے فتوے دینے والوں کو ہبہ نہیں کر دی کہ جس کو چاہیں وہ جنت میں بھیج دیں جسے چاہیں اسے دوزخ میں ڈال دیں۔"

اگرچہ ایسا بہت کم بلکہ شاذ ہی ہوتا ہے کہ کسی ذات واحد مین تحریر و تقریر کی قابلیت یکسان جمع ہو۔ مگر سرسید علیہ الرحمۃ کی طرح نواب محسن الملک بھی تقریر و تحریر دونون کے بڑے دھنی تھے۔ اپنے زور تقریر سے مجلس کو گرما دینا یا رُلا دینا اُن کے گویا اختیار مین تھا۔ ان کی تقریر مین چھچھوراپن نام کو نہ ہوتا تھا۔ اس مین ظرافت ہوتی تھی مگر نہ ایسی جو سامعین کو گران گذرے۔ محسن الملک کی کامیابی کے اسباب مین ان کی فصاحت و بلاغت اور قوت تقریر کو شریک غالب بتایا جاتا ہے۔ چند اقتباسات ان کی تقریر کے بھی ملاحظہ کر لیجیے۔

ڈپٹی کلکٹری مرزاپور کے زمانہ مین وہان کے ہائی اسکول مین عربی کے فارغ التحصیل طلبہ کو سالانہ تقسیم انعام کے جلسے کے موقع پر یون مخاطب کرتے ہیں۔ یہ ان کی تقریر کا بالکل ابتدائی نمونہ ہے۔

اے میرے ہم قوم اور ہم مذہب طالب علمون! تم میری باتون کو غور سے سنو اور انصاف اور دانشمندی سے اُسے سوچو کہ مین تمہاری بھلائی کے لئے کیا کہتا ہون۔

اگرچہ مین نہایت خوش ہون کہ تم اپنے قدیم علوم کی تعلیم پر متوجہ ہوا اور ایک نہایت دل پر اثر کرنے والے شوق سے اسکی تحصیل کرتے ہوا اور تم مین سے چند طلبہ نے کامیابی بھی پائی اور فضیلت کے خطاب پا لینے سے اپنی عزت حاصل کی۔ مگر حقیقت مین یہ تعلیم ناکافی ہے۔ اور جو نتیجہ علم کا ہے۔ وہ اس سے حاصل نہیں کیونکہ تم نے دو قسم کے علم حاصل کئے۔ ایک منقول دوسرے معقول۔ پہلی تعلیم نے تمکو تقلید مین کامل کیا۔ دوسری نے چند غلط اور بے اصل اوہام کو معقولات صحیحہ کی صورت مین تمہارے دل پر نقش کیا۔ نہ اس سے جیسا کہ چاہیئے تمہارے دین کو فائدہ ہوا۔ نہ اس مین تمہاری عقل کو ترقی ہوئی مذہبی تعلیم سے غرض صرف یہ ہے کہ وہ باتین جو خدا نے اپنے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معرفت بذریعہ وحی کے بتائیں اُنکی روشنی ہمارے دل پر پڑے اور ہم انکی حقیقت سے واقف ہون اور انکی حقیقت اور سچائی ہمارے دل پر اپنا ایسا اثر کرے کہ نہ تقلیداً بلکہ تحقیقاً ہم ان کو تسلیم کریں۔ مگر جو تعلیم تم نے پائی اس نے یہ فائدہ نہیں پہنچایا۔ نہ تم اسکی حقیقت

واقف ہوئے نہ بے واسطہ اُس نور کی شعاعیں تمہارے دل پر پہنچیں۔ تمہاری مذہبی تحقیقات ان لوگوں کے قولوں پر ختم ہو گئی۔ جو مثل تمہارے غیر معصوم تھے اور جن کی رائے میں تمہاری طرح خطا و صواب دونوں کا احتمال تھا۔ افسوس کہ تم نے اصل چشمہ سے پانی نہیں پیا جو نہایت شیریں اور صاف اور موتی کی طرح چمکتا ہے۔ بلکہ اس حوض کو اصل چشمہ خیال کیا جو بسبب بضاعہ کی طرح گندہ ہو رہا ہے۔ تم نے اپنے دینی عقاید اور مذہبی اقوال کو خدا کی کتاب سے خود تحقیق نہ کیا بلکہ لوگوں کی رایوں اور قولوں اور خیالوں ہی پر اپنے معتقدات کی بنیاد قایم کی۔ تم نے اپنے فقہی مسایل اور شرعی احکام کو سچی باتوں سے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خود دریافت نہیں کیا بلکہ جو لوگ لکھ گئے اور کہہ گئے اسی کو منزل من اللہ سمجھا اور پھر افسوس یہ ہے کہ اگر تم جاہل رہتے اور کچھ تعلیم نہ پاتے تو تم اس کورانہ تقلید میں پڑنے سے معذور ہوتے۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس اس پر ہے۔ کہ تعلیم نے تمکو یہ نتیجہ دکھلایا۔ اور علم کے حاصل کرنے سے بجائے تحقیق کے تم نے تقلید کو حق جانا۔

یہ تم نہ خیال کرو کہ معاذ اللہ میں مذہبی تعلیم کو برا جانتا ہوں۔ میں کافر ہوں اگر ایسا خیال کروں۔ بلکہ میں ہر مسلمان پر فرض سمجھتا ہوں کہ وہ مذہبی تعلیم پاوے اور اپنے دین کے باب میں کامل واقفیت حاصل کرے لیکن اگر میں متاسف ہوں تو صرف اُسکی طرز و طریق پر کیونکہ جو تقلیدی تعلیم تم حاصل کرتے ہو یہ حقایق دینی کے ادراک کے لئے اور مسایل شرعی کی حقیقت پر پہنچنے کیلئے ناکافی ہے بلکہ مزاحم ہے۔ انصاف کرو کہ کیا حاصل ہے تمکو تعلیم سے جبکہ تمہارے خیالات میں بلندی اور تمہاری عقل میں ترقی نہ ہوئی اور تمہارے دل نے اصل مذہب کی روشنی نہ پائی۔ اور کیا فرق ہوا درمیان ان عامیوں کے جو تمہاری تقلید کرتے ہیں۔ اور درمیان تم عالموں فاضلوں کے جو اوروں کے پیچھے چلتے ہو۔ پس اس تعلیم سے جس سے تم کورانہ تقلید میں مبتلا ہوئے تمہارے مذہب کو کیا فائدہ ہوا۔

۲۲ر اکتوبر ۱۸۸۴ء کو مرزاپور انسٹیٹیوٹ میں مسلمانوں کی تہذیب پر

ایک بسیط لکچر دیا ہے۔ اور مسلمانوں کی گذشتہ موجودہ اور آیندہ تہذیب کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اس لکچر میں مسلمانوں کے موجودہ انحطاط کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

چوتھا سبب جو خاص ہندوستان کے بدنصیب مسلمانوں کے تنزلات کا سبب ہوا ہندوستان کا وطن کر لینا اور اپنے اصلی وطن کا چھوڑ بیٹھنا ہے۔ مسلمان جبکہ ہندوستان میں آئے اُس وقت نہایت تنومند اور سُرخ و سفید اور قوی و تندرست تھے طبیعتیں بھی اُن کی آزاد تھیں۔ دلوں میں بھی اُن کے ایک جوش تھا۔ رسوم کی پابندی سے ان کو خبر نہ تھی۔ مگر جب ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا اور ان قوموں سے مل گئے۔ جو کہ اُن سے قوت میں، دلیری میں، آزادی میں، علم میں، معاشرت میں کم تھیں۔ اور چھوت اور پرہیز اور رسموں کی پابندی اور تنگ خیالات ان کے رگ و ریشہ میں سمارہے تھے۔ تو رفتہ رفتہ وہ بھی ایسے ہی ہو گئے۔ اُن اصلی حالتیں بالکل بدل گئیں۔ وہ خون جو ابراہیم کی رگوں کا ہم میں تھا۔ بدل گیا۔ وہ ہڈی جو اسمٰعیل کے خون سے بنی تھی بدل گئی۔ وہ دل جس میں ہاشمی جوش تھا بدل گیا۔ غرضکہ چہرا بدل گیا۔ رنگ بدل گیا۔ صورت بدل گئی۔ سیرت بدل گئی۔ دل بدل گیا۔ خیال بدل گیا۔ یہانتک کہ مذہب بھی بدل گیا تمام وہ جوش جو اٹھے تھے اس ریتلے جنگل عرب سے جس نے فارس اور تمام سنٹرل ایشیا کو سرسبز و شاداب کر دیا تھا ہندوستان میں آکر پہلے آٹ بنگال میں ڈوب گئے۔"

دسمبر ۱۸۹۳ء کی کانفرنس منعقدہ علیگڈہ کے نواب محسن الملک پریسیڈنٹ تھے ذیل کی عبارت اُن کے پریسیڈنشل ایڈرس کا بالکل پہلا پیرا ہے :۔

"بزرگان قوم و برادران۔ جو عزت اسوقت آپنے اس معزز اور قومی جلسے کے صدر انجمن ہونے کی مجھے بخشی ہے۔ وہ ایک ایسی عزت ہے کہ ہر ایک نامور مسلمان اسپر فخر کر سکتا ہے۔ مجھ سا ناچیز آدمی جس قدر اُس پر فخر کرے اور جس قدر شکر کرے وہ کم اور درحقیقت بہت کم ہے۔ مگر جبکہ میری ایک طرف اس معزز خدمت کے مشکل فرائض

کو دیکھتا ہوں۔ اور دوسری طرف اپنی ناقابلیت کو۔ تو چاہتا ہوں۔ کہ اس بیچارے موذن کی طرح جسے نمازیوں نے زبردستی نماز پڑھانے کے لیئے آگے کر دیا تھا۔ اور وہ نمازیوں کو سجدہ میں چھوڑ کر مسجد سے چل دیا۔ میں بھی موقع پا کر نکل جاؤں۔ لیکن چونکہ موقع کے ملنے کی مجھے امید نہیں ہے۔ اسلیئے بڑا ہوں یا بھلا آپ کے سامنے حاضر ہوں اور بہ تعمیل آپکے حکم کے اس کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اگر میں اپنی اس معزز خدمت کے فرائض ادا کرنے میں قاصر ہوں تو مجھے امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔"

یہ عبارت جو درحقیقت ظرافت کی پوٹ ہے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو پھیکی معلوم ہو۔ لیکن جن لوگوں نے اسے نواب محسن الملک کے خاص انداز بیان کے ساتھ اس جلسہ میں سنا ہوگا۔ اس کا لطف وہی کچھ خوب جان سکتے ہیں۔

مجلس کا رنگ بگڑتا دیکھکر اُسے سنبھال لینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ جن لوگوں نے لکھنؤ اور (دربار کے موقع کی) دہلی کانفرنس میں شرکت کی ہو وہ متفق القول ہیں کہ بعض تقریروں پر جلسہ برہم ہو گیا تھا۔ دفعیہ اور رد باب جلسہ کا قائم رکھنا محسن الملک کے سوا کسی اور سے ممکن نہ تھا۔ ۱۸۹۳ء کے اجلاس کانفرنس میں جس کے وہ پریسیڈنٹ تھے۔ "عربی زبان دانی کے رواج" کا رزولیوشن پیش تھا۔ اور بڑی شد و مد سے بحث ہو رہی تھی۔ سرسید علیہ الرحمۃ بگڑ گئے۔ اور نہایت غصہ سے کہا کہ "جب عمل کچھ نہیں ہے تو دین دین پکارنے سے اور مذہبی جوش ظاہر کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ عربی زبان کی طرفداری ایسی ہے کہ منہ سے کہی جاتی ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس نے کیا عمل کیا"۔ چونکہ سرسید کی اس تقریر سے سخت غلط فہمی پیدا ہونے اور آگ بر تیل پڑنے اور اس طرح کانفرنس کی ہردلعزیزی کو نقصان پہنچنے کا خوف تھا۔ نواب محسن الملک نے بحیثیت پریسیڈنٹ کھڑے ہو کر ایک نہایت لطیف تقریر کی جسکا یہ ایک ٹکڑا ہے:-

صاحبو! اگر سرسید کے سوائے کوئی دوسرا آدمی ایسی گفتگو کرتا تو میں بحیثیت صدر انجمن ہونے کے اُسے خاموش کرتا یا اُس کے جواب میں کچھ کہتا۔ مگر چونکہ سرسید اسکے کہنے والے تھے۔ اسلیئے میں نے کچھ نہیں کہا۔ ان کا کہنا ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ

بزرگ کا اپنے چھوٹوں کی نصیحت کے لئے ہوتا ہے ۔ اور ان کا خفا ہونا ایسا ہے جیسا کسی استاد کا اپنے شاگردوں پر ہوا کرتا ہے ۔ صاحبو ۔ میں نے سنا ہے کہ بنارس میں کسی راجہ کے یہاں ایک تصویر ہے جس میں نواب شجاع الدولہ اس خاندان کے بزرگ کو اپنے ہاتھ سے کوڑا مار رہے ہیں ۔ کسی نے اس تصویر کو دیکھ کر راجہ سے کہا کہ ایسی بے عزتی کی تصویر تم نے کیوں اپنے گھر میں لگا رکھی ہے ۔ اس نے کہا کہ اس عزت کے ثبوت میں کہ ہمارے دادا نواب رہ سکتے ۔ بالکل ایسی ہی مثال آپ کو یورپ میں ملیگی ۔ لوئی چہارم بادشاہ فرانس نے اپنے ایک درباری کے خود لاتیں ماری تھیں ۔ وہ اسپر تمام عمر فخر کیا کرتا تھا ۔ اور اسنے اپنے دیوان خانہ میں ایک تصویر اسی واقعہ کی آویزان کرائی تھی ۔ یہی حال ہمارے سید اور مولوی شمس الدین صاحب کا ہے ۔ کہ اگر کہیں سید کی چھڑی انپر پڑ جاتی اور اس بوڑھے باپ کی محبت کی مار کا وہ مزہ چکھ لیتے تو تمام عمر اسے یاد کرتے اور خوش ہوتے "

ذیل کی عبارت اس تقریر کا ایک ٹکڑا ہے جو نواب محسن الملک نے ۲۵ رجون ۱۸۹۸ء کو بمقام لاہور سرسید مرحوم کی یادگار قایم کرنے کے متعلق کی تھی "

"بزرگان ملت ! جس شخص کی یادگار قایم کرنے کے لئے آج ہم جمع ہوئے ہیں وہ منجملہ ان مخصوص او ممتاز لوگوں کے تھا ۔ جن کو خدا تعالے کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا کرتا ہے ۔ سرسید احمد خان کو خدا نے ہم مسلمانوں میں ایک خاص قسم کی قومی ہمدردی اور قومی ریفارمر اور اصلاح کی قابلیت دی تھی ۔ وہ نہ عالم فاضل تھے نہ پروفیسر یا ڈاکٹر مگر اس بات کا ثبوت تھے کہ جس شخص کو فطرت سے دماغ صحیح اور ذہن سلیم اور کسی قسم کی خاص قوت عطا ہوئی ہو ۔ دنیا کو اس کے طبع زاد خدا داد اور خود در خیالات کس قدر فائدہ پہنچا سکتے ہیں "

۱۸۵۷ء کے غدر میں مرحوم سے جس قومی خیر خواہی کے ارگن کو کوکا دم دیا تھا ہمیشہ اسکی آواز منقطع نہ ہوئی ۔ اور ایک سے ایک بڑھکر نغمہ دلکش اس سے نکلتا چلا آیا طوالت ہوگی اگر وہ کام جو اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں کی بہبودی کے لئے انہوں نے

گئے ہیں۔ بالاستیعاب بیان کئے جاویں۔ مگر سب میں بڑا اور سب سے بڑا احسان جو انہوں نے قوم پر کیا۔ ملک پر کیا۔ سرکار پر کیا۔ انپر کیا جو اب موجود ہیں۔ اور انپر کیا جو آگے کو پیدا ہونگے۔ وہ علیگڈھ کالج کا جاری کرنا تھا۔ اور اس سے ان کا مقصد تھا اپنی ایک علیحدہ خود مختار مسلمانی یونیورسٹی قائم کرنا۔ یہ تھا اور یہی وہ آرزو تھی جس کی کوشش میں انہوں نے اپنی زندگی تمام کردی اور اس آرزو کا پورا کرنا ہم پر چھوڑ گئے۔ اے زندہ دلان پنجاب! سر سید جنکی یہ آرزو تھی کہ محمڈن یونیورسٹی بنائیں۔ وہ تو دنیا سے چل بسے۔ مگر تم زندہ ہو اور زندہ دلی کا طغرا تمہاری پیشانیوں پر اس مبارک ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اگر درحقیقت تم زندہ دل ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم ہو تو آؤ اور فضول رونا چھوڑو مرثیئے اور نوحے بند کرو تعزیت کی مجلسوں پر فاتحہ پڑھو۔ بلکہ اپنی محبت کا عملی ثبوت دکھاؤ۔ اور اپنے محبوب اور مقتدی کے ناتمام کام کے پورا کرنے کی کوشش کرو۔ وہ زندگی میں اپنے لئے نذر و نیاز کا طالب ہوا نہ اپنی ذات کے واسطے حیلتہً یا صراحتہً تم سے کسی چیز کا خواہاں ہوا۔ بلکہ خود اپنا مال تم پر قربان کیا۔ یہانتک کہ نہ اپنے مرنے کے لئے ایک جھونپڑا نہ اپنے کفن کیلئے ایک گز کپڑا۔ مرنے کے بعد بھی اس کی یہ تمنا نہ تھی۔ کہ اس کی یادگار میں مقبرہ بنایا جائے یا اس کی قبر پر لنگر جاری ہو۔ یا اس کے نام کی کوئی خانقاہ بنائی جائے بلکہ یہی آرزو تھی کہ مرنے کے بعد بھی جو کام تمہاری بھلائی کا اس نے شروع کیا تھا وہ پورا ہو اور قومی ترقی کے وسائل یعنی تعلیم و تربیت کے سامان پورے پورے جمع کئے جائیں۔ یعنی محمدن کالج محمڈن یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچ جائے۔ تم یہ نہ سمجھو کہ اگر تم نے یادگار قائم نہ کی۔ تو ان کی یاد دنیا کے دل سے جاتی رہیگی۔ بلکہ یقین کرو کہ جیسا جیسا زمانہ گذرتا جائیگا۔ ان کی یاد اور تازہ ہوتی جائے گی۔ ہاں تمہاری ناقدردانی۔ احسان فراموشی۔ بےخبری اور غفلت کی یادگار ہمیشہ قائم رہیگی۔ اور زمانہ افسوس کے ساتھ کہیگا۔ کہ دنیا میں ایک ایسی ناشکر گذار اور غافل قوم بھی ہے جو نہ اپنے محسن کے احسانوں کو یاد رکھتی ہے نہ اپنے نفع و ضرر کو پہچانتی ہے

حیدرآباد سے پنشن پاکر وطن آنے کا زمانہ

جب نواب محسن الملک بہادر حیدرآباد سے پنشن لیکر اٹاوہ میں تشریف لائے تو سرسید نے خط پر خط اور تار پر تار بھیجکر انکو علیگڈھ میں یاد کیا۔ اور اپنے ضعف کیحالت بیان کرکے کالج اور کانفرنس کے اندرونی حالات سمجھائے اور محسن الملک کو ابھارا کہ یہ وقت پنشن لیکر آرام کرنے کا نہیں بلکہ قوم کیلئے کام کرنے اور تکلیف اٹھانے کا ہے۔ اور اب شکستہ جہاز تمہارے حوالے ہے تم جانو اور تمہارا کام۔

سرسید کی یہ باتیں ایسی نہ تھیں جو محسن الملک کو قرار سے بیٹھنے دیتیں۔ چنانچہ وہ فی الفور تیار ہوئے۔ اور انہوں نے کانفرنس کو کالج کے مدد دینے کا بہترین ذریعہ سمجھکر اسکی ترقی میں جدید کوششیں جاری کیں۔ اور خود بھی پٹنہ۔ سندیلہ۔ مرادآباد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں جاکر مسلمانوں کو کانفرنس کی جانب توجہ دلائی اور ہر شہر میں کانفرنس کی ضرورتیں سمجھانے کو کمیٹی مقرر کی۔ اس تدبیر سے کانفرنس میں ایک نئی روح ترقی کرنے لگی۔ اور کالج کے استحکام میں ایک جدید تمدن کا آغاز ہوا۔

سید احمد خان صاحب بہادر کا انتقال

سرسید احمدخان بہادر ایل ایل ڈی۔ کے سی ایس آئی سکرٹری مدرستہ العلوم علیگڈھ ۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو احتباس بول سے صاحب فراش ہوئے ۲۶ کی شام سے حالت ردی ہونا شروع ہوئی، ۲۷ کو دردسر۔ لرزہ دتپ میں مبتلا ہوئے اور ۲۸ مارچ ۱۸۹۸ء کو رات کو دس بجے کے قریب آنریبل حاجی محمد اسمعیل خانصاحب کی کوٹھی میں وفات پائی۔ نواب محسن الملک بہادر موجود تھے۔ نہائت احترام سے انکا کفن و دفن کیا گیا۔ اون کے بعد اون کے مشہور اور فاضل فرزند آنریبل سید محمود صاحب مرحوم سابق جج ہائیکورٹ الہ آباد سکرٹری کالج قرار پائے۔ مگر سید محمود مرحوم کے خلل دماغ نے اونکو کسی کام کا نہ رکھا تھا۔ اس لئے وہ اپنے علم و فضل اور اپنی شہرت

عام شہرت کے موافق کوئی کام انجام نہ پانے سکے۔ نواب محسن الملک اکثر امور میں دوسرے کاموں کی اصلاح کے ساتھ اُن کے مزاج کی اصلاح کا بھی خیال رکھتے تھے

کالج کے متعلق نواب محسن الملک کے ابتدائی مساعی

نواب محسن الملک بہادر قومی تعلیم کے مسئلہ میں ابتدا سے سرسید کے ہمخیال تھے چنانچہ جب سرسید بنارس میں سب جج اور مولوی مہدی علیخان مرزاپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور سرسید نے اس باب میں تمام قوم سے رائیں طلب کی تھیں تو مولوی مہدی خانصاحب نے سنہ ۱۸۷۱ء میں ایک مفصل اور مدلل رسالہ لکھا تھا جو ایکہزار روپیہ کے انعام کے قابل سمجھا گیا لیکن انہوں نے وہ انعام نہیں لیا اور وہ روپیہ مصارف کمیٹی "خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان" کے لئے چھوڑ دیا۔ سرسید نے یہ سب حالات روداد کمیٹی خزینۃ العلوم لتاسیس مدرسۃ العلوم میں درج کئے ہیں۔ جو اس خیال کے متعلق سب سے پہلی کتاب ہے۔ اسکے بعد مولوی سید مہدی علیخانصاحب بہادر حیدرآباد کو تشریف لیگئے وہاں سے وامے درمے قلمے قدمے ہر طرح کی مدد اس کام میں سرسید احمد خان بہادر کو دیتے رہے۔

نواب سرسالار جنگ بہادر نے بارہ ہزار روپیہ سال نظام گورمنٹ کیطرف سے مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے لئے مقرر فرمایا جس سے اسکی ابتدائی حالتوں میں بہت بڑی مدد ملی۔ پھر سرآسمانجاہ بہادر کے عہد وزارت میں بارہ ہزار روپے کا اور اضافہ ہوا جملہ چوبیس ہزار روپیہ سال مقرر ہوئے۔ اور سرسید دو مرتبہ حیدرآباد تشریف لیگئے دوسری مرتبہ کے جانے میں علاوہ گورمنٹ کے ستر۔ اسی ہزار روپیہ پرائیویٹ چندوں سے حاصل ہوا۔ ان سب اعانتوں میں نواب محسن الملک بہادر کی تدبیرات اور کوششوں کو خاص دخل ہے جس کے لئے نواب محسن الملک کا شکریہ کثیر التعداد چھوٹے چھوٹے موقعوں کے علاوہ بارہا کانفرنس کے بھرے اجلاسوں میں ادا کیا گیا ہے۔ اور قوم کی تعلیم اور کالج کی تعمیر میں نواب محسن الملک بہادر سرسید کے

دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ کالج میں مہدی منزل ابتدائی تعمیر کی یادگار ہے۔ نواب
صاحب نے ہزاروں کی رقمیں مختلف چندوں میں دی ہیں۔ اگر ابتداً
سے سرسید کے زمانہ حیات تک کالج کی تاریخ اور کالج کے دفتر اور تہذیب الاخلاق
اور انسٹیٹیوٹ گزٹ کے سالانہ فائلوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر کام میں
نواب محسن الملک بہادر نے کیسی قابل قدر مدد دی ہے۔ آخر میں جب سرسید فرط
ضعف سے بہت تھوڑا کام کرتے تھے۔ اور کالج مشہور غبن اور دوسرے غیر معمولی
مصارف سے ستر اسی ہزار روپے کے قرض میں آگیا تھا۔ نواب محسن الملک بہادر
نے یہ کام کیا کہ جب حیدرآباد سے علاحدہ ہوئے تو علیگڈھ میں اقامت فرمائی۔
اور جو کام رک رہے تھے۔ ان کو چلاتا گیا۔ اور کالج کی زیرباری کو دور کرنے کی تدبیریں
شروع کیں۔ کئی شہروں میں اپنی ذات سے تشریف لے گئے اور ملک بھر میں ایک نئی
جان ڈالنے کے لئے جابجا جلسے کئے جس سے ٹرسٹیز کے دلوں میں جو سرسید
کے ضعف اور کالج کی زیرباری سے مایوس ہو رہے تھے نئی طاقت پیدا ہوئی۔

علیگڈھ کالج کی سکرٹری شپ

چونکہ سکرٹری شپ کے لئے نواب محسن الملک کے انتخاب کو جن پچھلے واقعات سے تعلق ہے
اس لئے سرسری طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سرسید علیہ الرحمۃ کی جن لوگوں نے علیگڈھ
کالج قائم کرنے میں فراخ حوصلگی سے امداد کی تھی۔ اس میں سرسید کے قریبی رشتہ دار
اور عزیز دوست مولوی سمیع اللہ خان بہادر سی ایم جی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اور سرسید
انکو اپنا قوت بازو سمجھتے تھے۔ اور ان سے کالج اور بورڈنگ کے انتظام اور نگرانی
میں بے انتہا تقویت پہنچی تھی۔ مگر بدقسمتی سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے
کہ کالج کے یورپین اسٹاف کے ممبر مولوی صاحب ممدوح کی طرف سے کھٹک گئے تھے
اور ان کو یقین تھا۔ کہ اگر سرسید نے اپنی زندگی میں آیندہ کے لئے سکرٹری شپ کا
انتظام نہ کیا تو ان کے بعد ضرور مولوی سمیع اللہ خان سکرٹری ہو جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے

۱؎ اپریل سنہ ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا ہے

اور نیز بعض اور یورپین افسروں نے سرسید کو صلاح دی کہ سید محمود کو جائنٹ سکرٹری مقرر
کردیں۔ تاکہ یورپین اسٹاف کا سرسید کے آئندہ جانشین کی طرف سے پورا پورا
اطمینان ہو جائے۔ اگرچہ سرسید کو یقین تھا کہ سید محمود کے جائنٹ سکرٹری مقرر
کرنے سے لوگوں کے دل میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہونگی۔ اور ایسی بدگمانیوں کی
وہ سوسو کوس بھاگتے تھے۔ اور سید محمود بھی جائنٹ سکرٹری یا سکرٹری بننے کو
پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر چونکہ یورپین اسٹاف کو اس بات پر سخت اصرار تھا اور
ان کو کالج کی آئندہ حالت کی نسبت مطمئن کرنا ضروری تھا۔ اسی وجہ سے سرسید کو
سنہ ۱۸۸۹ء کے ٹرسٹی بل میں ایک خاص دفعہ سید محمود کے جائنٹ سکرٹری
مقرر کرنے کے لئے داخل کرنی اور سید محمود کو بہ جبر اس پر راضی کرنا پڑا۔ اسی قصہ
مولوی سمیع اللہ خان بہادر اور ان کی پارٹی سخت برہم ہوئی اور کالج سے قطع تعلق کر لیا
مگر سید محمود خلل دماغ کی وجہ سے سرسید کی زندگی ہی میں قوم کے جسم بیمار کے لئے عضو
معطل ہو چکے تھے۔ اور بحیثیت جائنٹ سکرٹری اپنے کار منصبی کو بالکل انجام نہ دے
سکتے تھے۔ [اسی لئے ٹرسٹیوں کو اسسٹنٹ جائنٹ سکرٹری کا ایک نیا عہدہ
قائم کرنے کی ضرورت پڑی اور نواب محمد مزمل اللہ خان رئیس بھیکن پور (خان بہادر
آنریری مجسٹریٹ درجہ اول و فیلو الہ آباد یونیورسٹی) اسسٹنٹ جائنٹ سکرٹری منتخب
ہوئے۔ جو توقع کے عین مطابق اپنے فرائض کو نہایت قابلیت سے ادا کرتے رہے ہیں
اور اب بجائے اسسٹنٹ جائنٹ کے جائنٹ سکرٹری ہیں]

جب سرسید کا انتقال ہوا تو ٹرسٹیوں کی نگاہیں نواب محسن الملک کی طرف
اٹھیں۔ لیکن دقت یہ تھی کہ سید محمود اب لائف (دوامی) سکرٹری تھے ان کا
ہٹانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ دوسری طرف مولوی سمیع اللہ خان بہادر کی پارٹی
نے جس کے سرگرم اور لائق ممبر خواجہ محمد یوسف مرحوم وکیل علی گڑھ تھے
مولوی صاحب موصوف کے حقوق و دعاوی پیش کر کے شورش کی اور سر انٹونی میکڈانلڈ
گورنر ممالک مغربی و شمالی (حال صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ) کی کوشش سے

آنریبل سید محمود مرحوم اور مولوی سمیع اللہ خان بہادر سی ایم جی کے درمیان صفائی بھی ہوگئی تھی۔ مگر باوجود ان تمام دشواریوں کے ۳۱ جنوری ۱۸۹۹ء کے سالانہ اجلاس ٹرسٹیان میں ٹرسٹی نواب محسن الملک کو سکرٹری منتخب کرنے میں کامیاب ہوئے اور سید محمود مرحوم کو پریسیڈنٹ بنایا گیا۔ اب سید محمود مرحوم کے قانونی دماغ نے ایک مجموعہ ضوابط تیار کرکے یہ کوشش کی کہ تمام اختیارات پریسیڈنٹ کی ذات میں جمع ہوجائیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے کسی قانون کا پاس ہونا کالج کی آئندہ ترقی میں سخت رکاوٹ پیدا کرتا۔ لیکن نواب محسن الملک کی تدبیر رسا نے سید محمود مرحوم کو اپنے قابو سے باہر نہ ہونے دیا جس سے سید محمود مرحوم زیادہ اصرار اس کے پاس ہونے پر نہ کرسکے۔

عام جوش سے فائدہ اٹھانا

جس وقت سرسید کا انتقال ہوا ہے تو وہ زمانہ کالج کے لئے نہایت نازک تھا۔ ایک طرف تو کچھ لوگ کالج کے آئندہ جاری رہنے کی جانب سے مایوس ہو چلے تھے۔ دوسری طرف شام بہاری لال کے ایک لاکھ چھ ہزار کے غبن نے کالج کی مالی حالت کو متزلزل کر دیا تھا۔ کالج بنیاد سے لیکر چوٹی تک قرضہ میں غرق تھا لیکن ان تمام دشواریوں میں جو بات اس کے خیرخواہوں کی ڈھارس بندھانے والی تھی۔ وہ یہ تھی کہ سرسید کی وفات نے ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں کو چونکا دیا تھا۔ اور وہ ان کی زندگی کے کام کو نہ صرف قائم رکھنے بلکہ آگے بڑھانے پر تل گئے تھے۔ یہ حالت دیکھکر نواب محسن الملک نے زیادہ وقت مرثیہ خوانی اور نوحوں میں صرف نہ کیا۔ بلکہ پہلے تو انھوں نے سرسید کی یادگار میں علیگڈھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کے لئے اپیل شائع کی سید میموریل فنڈ قائم کیا اور پھر مختلف مقامات کا دورہ کرکے مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا اور چند ہی روز میں اتنا روپیہ جمع کر دیا کہ کالج نہ صرف قرضہ کے بار سے سبکدوش ہوگیا بلکہ اسکا سرمایہ بھی جمع ہونے لگا۔ اس عام جوش کی اہمیت کو سمجھنے اور اس سے

فائدہ اٹھانے کے لئے نواب محسن الملک ہر ایک تعریف کے مستحق ہیں بالکل
یقینی بات ہے کہ اگر اس تحریک کی جو سرسید کی وفات سے پیدا ہوئی تھی۔
ایک مناسب راستہ کی جانب رہبری نہ کی جاتی تو وہ چند ہی روز میں سرد پڑ جاتی
جو لوگ نواب محسن الملک کی کامیابیوں کا سبب صرف اس تحریک کو بتاتے ہیں۔ اور
نواب محسن الملک کی کوششوں کو خفیف کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اسکی شان بعینہ
ایسی ہی ہے کہ قبل اسکے کہ بھاپ کی طاقت سے کام لیا جائے پانی اسی طرح
ابلتا اور ابل کر بھاپ دیتا تھا اور بھاپ میں قوت بھی اتنی ہی تھی جتنی اب ہے
مگر آرک رائٹ سے پہلے اسکو استعمال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ ظاہر
نہ کرنا نہایت ناشکری ہوگی کہ اس بڑے وقت پر گورنمنٹ نے مسلمانوں کی
بڑی دستگیری کی۔ سرسید میموریل فنڈ کا پہلا اجلاس علیگڈھ میں ہز آنر لفٹنٹ
گورنر صوبجات متحدہ کی صدارت میں ہوا۔ اور ہز اکسیلنسی وائسرائے کی سرپرستی
اور نقد عطیہ نے گویا اس میں جان ڈالدی۔ اور مسٹر بیک آنجہانی پرنسپل کالج اور ان
کے جانشین آنریبل مسٹر تھیوڈور ماریسن کی کوششیں بھی مسلمانوں کی جانب سے کچھ کم
شکر گذاری کی مستحق نہیں ہیں۔

صیغہ تعمیرات

سرسید علیہ الرحمتہ جس طرح تمام کاموں کو اعلیٰ پیمانہ ہی سے شروع کیا کرتے تھے
اسی طرح انہوں نے ابتدا ہی سے کالج کی عظیم الشان عمارتوں کی داغ بیل
بھی ایک وسیع رقبہ اراضی پر ڈالی تھی۔ اور بہت سی شاندار عمارتیں جو اسوقت
کالج میں خدا کے فضل سے نظر آتی ہیں اور جن کی قسمت میں اپنے رفیع المنزلت
بانی کا مقبرہ بن چکنے کے بعد مکمل ہونا لکھا تھا۔ ان کی بنیادیں سرسید نے کھدوا کر
بھروا دی تھیں۔ کالج کمیٹی کے سرگرم ممبر جو کالج کے کاروبار سے زیادہ دلچسپی
رکھتے تھے۔ ان میں بہت ہی کم ایسے تھے۔ جو ابتدا ہی سے کالج کی عمارتوں

میں زیادہ روپیہ صرف ہونے کے روادار ہوں۔ کیونکہ شروع میں تعلیم ہی کے اخراجات کے لئے کافی روپیہ بہم پہنچانا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ چہ جائیکہ لاکھوں روپے کی عمارتیں تیار کرالی جائیں۔ مگر سرسید نے کالج کی ترقی بلکہ اسکا قیام و دوام اسی پر منحصر سمجھا تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اعلےٰ پیمانہ پر عمارتیں بنائی جائیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ اصلی نتائج علے الاعلان ظاہر ہونے کے لئے جس سے عام لوگوں کا اسکی طرف توجہ ہو ایک مدت دراز درکار ہے۔ اور تعلیم و تربیت کی خوبی سمجھنے والے لاکھوں کروڑوں میں معدودے چند آدمی ہوا کرتے ہیں۔ البتہ عمارات کی شان و شوکت ایک ایسی چیز ہے۔ جسکا اثر فوراً خاص و عام کے دل پر پڑتا ہے۔ سرسید کو کالج کی زیادہ شاندار عمارتیں بنانے کا خیال اس نظر سے بھی ضرور ہونا چاہیئے تھا کہ آیندہ نسلوں کو اپنی قومی انسٹیٹیوشن کا عظیم و شان سمجھکر اس کے قائم رکھنے کا خیال زیادہ ہو۔ لیکن روپیہ اتنا فراہم نہ ہوتا تھا کہ ایکدم تمام عمارات کا سلسلہ پورا ہو جاتا۔ اور اس وجہ سے باوجود سرسید کی طرح طرح کی عجیب و غریب حکمت عملیوں کے سلسلہ عمارات پورا نہ ہوا۔ جن میں سے بعض غیر مکمل عمارتیں بہت بدنما بھی معلوم ہوتی تھیں۔ نواب محسن الملک نے کالج کو قرضہ کے بارے سبکدوش کرتے ہی نا تمام عمارتیں مکمل کرنی شروع کردیں۔ جواب (چشم بد دور) دیکھنے والے کے سامنے ایک دلکش شاندار نظارہ اور عالی شان منظر تماشا نہ پیش کرتی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم جُدا جُدا ضمنی عنوانوں کے تحت میں چند عمارتوں کا تھوڑا تھوڑا ذکر کریں۔

مسجد: مسجد۔ جو دہلی کی مسجد شاہ جہانی کی طرز کی بنائی گئی ہے۔ اس کے چندہ میں نواب محسن الملک کے عہد میں بھی اتنی گنجائش نہ نکل سکی کہ مکمل ہو جاتی۔ دونوں طرف کے مینار اور گنبد بن چکے ہیں۔ مگر پلاستر فرش اور دیگر لوازم ضروریہ کی تکمیل ہنوز دور معلوم ہوتی ہے۔ حیف! حیف!! مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب۔

اسٹریچی ہال کی ملحقہ عمارتیں:۔ اسٹریچی ہال کے مشرق و مغرب میں ایک طرف کالج کلاسوں اور دوسری طرف مسجد تک اب جو عمارتیں ہیں بانیٔ سید کے زمانہ کی صرف ایک مہدی منزل تھی۔ اب لائل لائبریری۔ بیگ منزل۔ حمید منزل۔ برکت علیخان لکچر روم۔ آسمان منزل۔ نظام میوزیم جیسی عالیشان و رفیع البنیان عمارتیں نظر آتی ہیں۔

پکی بارک:۔ صدر دروازہ کے مغربی جانب پہلے صرف ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ باقی حصہ میں کچی بارک تک کوئی کمرہ نہ تھا۔ اب یہ سلسلہ بالکل پورا ہو گیا ہے۔ اور تجویز ہے کہ ایک خاص تعداد پختہ کمروں کی ہر سال بنائی جائے۔ یہاں تک کہ کل کچی بارک پکی بارک میں منتقل ہو جائے۔

میکڈانل بورڈنگ ہاؤس:۔ یہ خوب صورت بورڈنگ ہاؤس کالج کے رائڈنگ اسکول کے قریب سر انٹنی میکڈانل سابق لفٹنٹ گورنر کے ۲۰ ہزار روپے کے عطیہ سے تعمیر ہوا ہے۔ اس کی عمارت سہ رویہ ہے۔ جانب جنوب کوئی عمارت نہیں صرف آہنی کٹہرا لگا ہوا ہے۔

فیاض بورڈنگ ہاؤس:۔ یہ بورڈنگ ہاؤس آنریبل نواب سر فیاض علیخان بہادر کے سی آئی ای رئیس پہاسو ضلع بلند شہر وزیر اعظم ریاست جے پور و پریسیڈنٹ بورڈ آف ٹرسٹیز علیگڈھ کالج کی فیاضی کا نتیجہ ہے۔ یہ بورڈنگ ہاؤس سر جیمس ڈگس لاٹوش سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ کی یادگار میں تعمیر ہوا تھا اور اس لحاظ سے اسکا نام [illegible] بنیاد رکھے جانے سے پہلے لاٹوش بورڈنگ ہاؤس رہا لیکن [illegible] لاٹوش بورڈنگ ہاؤس کے اس [illegible] نام فیاض بورڈنگ ہاؤس [illegible] اس کی لاگت [illegible] ہزار [illegible]

بھی فیاض نواب صاحب نے اپنی جیب ہی سے پوری کی۔ یہ بورڈنگ ہاؤس کچہری پارک کے قریب اس کی شمالی پشت پر ہے۔ اور عام وضع میں شل سیکنڈ انل بورڈنگ ہاؤس کی ہے۔

کرزن ہاسپٹل: یہ ہسپتال ہز اکسیلنسی لارڈ کرزن سابق وائسرائے و گورنر جنرل ہند کی تشریف آوری کالج کی یادگار میں کالج کے صدر دروازہ کے سامنے والے قطعہ اراضی پر تقریباً بیس ہزار روپے کی لاگت سے تیار ہوا ہے۔ جس کے لئے ایک ہزار روپیہ خود ہز اکسیلنسی لارڈ کرزن نے عنایت کیا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی متعدد چھوٹی موٹی ضروری عمارتیں نواب محسن الملک کے عہد میں کالج کے اندر تعمیر ہوئی ہیں۔ جن پر روپیہ تو اگرچہ ہزاروں صرف ہوا ہے لیکن ان کا ذکر ایسا ضروری نہیں کہ اسے کوئی مستقل جگہ اس کتاب میں دیجائے۔

انگلش وارڈ

انگلش وارڈ کی تجویز سرسید کے زمانہ ہی میں آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب رئیس دتاولی نے کی تھی۔ حاجی صاحب اپنے فرزند محمد زبیر خان مرحوم کی تعلیم و تربیت انگریزی وضع پر کرنی چاہتے تھے۔ اور انہوں نے سرسید کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک ایسا بورڈنگ ہاؤس قائم ہو جس میں تمام خواہشمند والدین کے بچے ایک انگریز افسر کی نگرانی میں بالکل انگریزی ڈھنگ پر رہیں سہیں اور تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ مگر بتقضائے الٰہی محمد زبیر خان مرحوم نے باقاعدہ تعلیم شروع ہونے سے پیشتر ہی عالم طفولیت ہی میں انتقال کیا اور انگلش وارڈ کی تجویز ملتوی ہو کر رہ گئی۔ سرسید مغفور نے اپنے آخری زمانہ میں اس تجویز کو زندہ کرنا چاہا۔ اور انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ایک مفصل اسکیم اس کے متعلق شائع کی اور انگلش وارڈ سرسید کے زمانہ میں قائم ہو گئی تھی۔ مگر صرف معدودے

طالب علم اس میں آئے تھے۔ اور فیس کی آمدنی سے بمشکل اسکا خرچ چلتا تھا۔ ابتدا میں انگلش وارڈ دیبی پرشاد والی کوٹھی میں تھی۔ جوایم اے او کالجیئٹ سکول کی عمارت کے قریب ہی ہے۔ اور کالج اور کوٹھی کی حدود کے درمیان صرف سڑک حائل ہے۔ لیکن جب سید محمود مرحوم کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ صاحبہ دہلی چلی گئیں۔ اور سرسید والی کوٹھی خالی ہو گئی تو اسے کالج نے حاصل کر لیا اور انگلش وارڈ دیبی پرشاد کی کوٹھی سے اس کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔ اور دیبی پرشاد والی کوٹھی معمولی بورڈنگ ہاؤس کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ انگلش وارڈ میں اعلیٰ درجہ کے رئیسوں اور امیروں کے چالیس لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ ان کی تعلیم اور تربیت بالکل انگلش مذاق کے موافق ہوتی ہے گویا یہ لڑکے انگلستان کے کیمبرج اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے کھیل کود کا سامان علیحدہ ہے۔ ان کا کھانا پینا ٹھیک انگلش اصول کے موافق ہے۔ ان کے کمرون کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ انکی تربیت پہلے مسٹر گارڈنر براؤن پروفیسر کالج کے سپرد تھی۔ لڑکوں کے ساتھ وہ بھی انگلش وارڈ ہی میں رہتے تھے۔ مگر اب اسکی سپرنٹنڈنٹی پر ایک انگلش لیڈی مقرر ہے۔ ان بچوں کا علاج معالجہ بالکل ڈاکٹری قواعد سے کیا جاتا ہے۔ غرضکہ انگلش وارڈ کی تعلیم نہایت صحیح انگلش تعلیم کا مکمل نمونہ ہے۔ اور علیگڈھ میں بیٹھکر انگلستان کا فائدہ پہنچا رہی ہے۔ وارڈ میں تعلیم پانے کی فیس پچاس روپیہ ماہوار علاوہ ایک معتدبہ رقم فیس داخلے کے لیجاتی ہے۔ جو لڑکوں کے سرپرست نہایت خوشی سے ادا کرتے ہیں۔

اردو ناگری کا جھگڑا

سکرٹری ہونے سے چند ہی روز بعد سنہ ۱۹۰۰ء میں نواب محسن الملک کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے انہیں گورنمنٹ کی ناراضی کے خوف سے [illegible] کی

سکرٹری شپ سے استعفا دینا پڑا۔ اس جھگڑے کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸۶۷ء میں بنارس کے بعض سربرآوردہ ہندؤں کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو تمام سرکاری دفاتر سے اردو زبان اور فارسی خط کے موقوف کرانے کی کوشش کیجائے اور بجائے اس کے بھاشا زبان اور دیوناگری حروف ہوں۔ ہندؤوں کی ایک قومی مجلس میں اس بات کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ جابجا اس کیلئے کمیٹیاں اور سبھائیں مختلف ناموں سے قایم ہونے لگیں۔ اور صدر کمیٹی الٰہ آباد میں قایم ہوئی۔ انہی دنوں میں ہز آنر لفٹننٹ گورنر بنگال نے ایک غلط فہمی کی بنا پر اردو کو ملکی زبان تسلیم نہ کرکے مسلمانوں اور بعض غیر متعصب ہندو اصحاب کے اصرار کے باوجود بہار میں بہاری زبان اور کیتھی حروف بجائے اردو زبان اور فارسی حروف کے جاری کر دیئے۔ اس سے اضلاع شمال مغربی (حال صوبجات متحدہ) کے ہندؤں کا حوصلہ اور زیادہ بڑھا۔ صدر کمیٹی الہ آباد کے سکرٹری اور سرسید کے درمیان کچھ عرصہ خط و کتابت جاری رہی۔ آخر سرسید نے علانیہ اس تحریک کی مخالفت شروع کی۔ اور ہندؤوں کی تجویز اس بنا پر نامنظور ہو گئی کہ فارسی خط اور اردو زبان کی اشاعت بہ نسبت ناگری اور بھاشا کے بہت زیادہ تھی لیکن ہندو مایوس نہ ہوئے اور انہوں نے ۱۸۸۲ء میں جبکہ سرسید امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر تھے۔ ایجوکیشن کمیشن میں پھر اردو کی مخالفت شروع کی۔ اب اس کا اثر پنجاب میں بھی پہنچ گیا۔ اور دونوں صوبوں میں بے شمار سبھائیں قایم ہوئیں اور ان کی جانب سے لاتعداد محضر کمیشن میں بھیجے گئے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی جانب سے حمایت اردو کی انجمن قایم ہوئی۔ اور اسکی طرف سے بھی ایجوکیشن میں میموریل پیش ہوا۔ مگر اس کے متعلق کمیشن نے اپنی کسی رائے کا اظہار نہ کیا۔ اس کے بعد مارچ ۱۸۹۸ء میں ہز آنر سر انٹنی میکڈانل لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی و اودھ کی خدمت میں دونوں صوبوں کے بڑے بڑے معزز اور سربرآوردہ ہندؤں نے پھر ایک میموریل اسی غرض سے گذرانا۔ سرسید نے بھی اس کی مخالفت میں ایک

مضمون لکھا جو ان کی وفات سے صرف ۵ دن پیشتر یعنی ۱۹ مارچ کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں شائع ہوا۔ جب بہار میں بجائے اردو حروف کے کیتھی زبان کے حروف رائج ہوئے تو اس وقت میکڈانل صاحب وہاں کلکٹر و مجسٹریٹ اور اس تبدیلی کے نہایت سرگرم معاون تھے۔ ۱۸۹۸ء میں تو سر انٹنی نے زبان میں کسی قسم کی تبدیلی تجویز نہیں کی تھی لیکن ہندوؤں کی مسلسل انتھک کوششوں سے عدالتوں میں اردو کے ساتھ ناگری حروف کے استعمال کا رزولیوشن پیش گاہ لفٹنٹی سے پاس ہو گیا۔ اور اس کے خلاف ہندوستان بھر کے مسلمانوں اور متعدد منصف مزاج ہندو اصحاب کی متفقہ آواز کا سر انٹنی اور لارڈ کرزن پر مطلق اثر نہ پڑا۔ لکھنؤ میں اردو کی حمایت میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا تھا۔ اور نواب محسن الملک نے اس جلسہ میں ایک ایسی زبردست تقریر کی تھی۔ کہ اس کے اثر کے متعلق خود ہز آنر سر انٹنی میکڈانل نے یہ ریمارک کیا تھا۔ کہ اس جلسہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا۔ جو مہدی علی کے رومال کی حرکت پر اپنا گلا کٹا لینے دینے کے لئے تیار نہ ہو۔" گورنمنٹ نے اردو ناگری کے اس جھگڑے کو ایک پولیٹکل مسئلہ قرار دیکر اس میں علیگڈھ کالج کے سکرٹری اور پرنسپل کی مداخلت بیجا تصور کی (آنریبل مسٹر تھیوڈور ماریسن نے بھی ناگری کی مخالفت میں حصہ لیا تھا۔) نواب محسن الملک کو خوف ہوا کہ مبادا میری نسبت گورنمنٹ کی ناراضی سے علیگڈھ کالج کو نقصان پہنچے اور اس خیال سے انہوں نے کالج کی سکرٹری شپ سے استعفا پیش کر دیا۔ کچھ روز تک خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خانصاحب جائنٹ سکرٹری کا کام کرتے رہے۔ مگر ہز آنر خاص طور پر کالج میں تشریف لائے اور نواب محسن الملک کو مطمئن اور آئندہ کے لئے کچھ ہدایتیں کر کے استعفا ان سے واپس دلا گئے۔

نواب محسن الملک اور کانفرنس

آنریبل سر سید احمد خان بہادر نور اللہ مرقدہٗ نے مدرستہ العلوم علیگڈھ کے باقاعدہ

چل نکلنے کے بعد سنہ ۱۸۸۶ء میں مسلمانوں کے عام طبائع کو ایک مرکز پر جمع ہونے اور
دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنا فائدہ سوچنے اور اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کے
قابل قدر اصول مقرر کرنے کو محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس مقرر کی۔ اس
کانفرنس کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں منشی امتیاز علی خانصاحب کی کوٹھی پر ہوا جس میں
نیشنل کانگریس کے خلاف سرسید کا پولیٹیکل لکچر پڑھا گیا۔ یہ بے مثل لکچر دیکھنے
اور پڑھنے کے لائق ہے۔ اس لکچر نے مسلمانوں کی تنبیہ و ہدایت میں خاص اثر پیدا
کیا ہے۔ ازاں بعد قریب قریب کے دوسرے شہروں میں کانفرنس کے سالانہ اجلاس
ہوتے رہے۔ انمیں الہ آباد کا جلسہ زیادہ بارونق اور شاندار تھا۔ نواب محسن الملک کا لکچر
ترقی اور تنزل اسلام پر بڑی دلچسپی سے سنا گیا۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں
کہ الہ آباد کے جلسہ کانفرنس میں جس ذوق و شوق اور وجد کی حالت میں انہوں نے
اپنا لکچر دیتے وقت تمام حاضرین کے سامنے سرسید سے خطاب کیا تھا۔ وہ اکثر لوگوں
کو یاد ہوگا۔ خصوصاً اسوقت کا سماں کبھی دل سے فراموش نہ ہوگا۔ جب کہ انہوں نے
سرسید سے مخاطب ہو کر یہ اشعار پڑھے تھے۔

دلبراں ماہ پیکر دیدہ ام — در جمالت چیزے دیگر دیدہ ام
این چہ نور ست آنکہ تابان از تو ہست — ہفت کوکب نور افشان از تو ہست
تو مکمل از کمال کیستی — مظہر نور جمال کیستی

سنہ ۱۸۹۳ء کے اجلاس کانفرنس منعقدہ علیگڈہ اور سنہ ۱۸۹۵ء کے اجلاس شاہجہانپور
کے وہ پریسیڈنٹ بھی تھے۔ سرسید کے وقت میں کانفرنس کا اثر قریب قریب کے
شہروں میں تھا۔ نواب محسن الملک نے اپنی ذاتی وجاہت اور لاثانی روشن دماغی سے
اسکے اثر کو پنجاب۔ بنگال۔ رنگون۔ بمبئی۔ مدراس وغیرہ دور دور کے مقامات پر
نمایاں کیا۔ اور جن شہروں کو سرسید کے خیالات سے ایک قسم کی بیگانگی تھی وہاں
اپنے حسن اخلاق اور وہاں کے بااثر لوگوں کے اتفاق سے کانفرنس کے اجلاسوں
کی راہ نکالی اور تمام حصہ ملک کے روشن خیال اور بااثر لوگ اسمیں شریک ہونے لگے اور

اوسکو اپنی قومی مجلس خیال کیا۔ بمبئی اور رنگون کے آسودہ حال لوگ جو اپنے شریف اور غریب بھائیوں کی ہمدردی سے بے نیاز ہو رہے تھے اونکو کالج اور کانفرنس کی جانب متوجہ کیا اور اونکی ہمدردی اور شرکت سے کالج کو غیر متوقع فائدہ پہنچایا۔ ڈیلیگیٹوں اور ممبروں اور وزیٹروں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ لاہور۔ کلکتہ۔ مدراس۔ بمبئی۔ رامپور۔ لکھنو۔ دلی۔ علیگڈہ میں ایک سے ایک بڑہکر اجلاس ہوا۔ سرسید کے وقت میں ممبروں وغیرہ کی معمولی تعداد دو ڈھائی سو ہوا کرتی تھی اسکی جگہ ہزار بارہ سو ڈیلیگیٹ اور ممبر اور وزیٹر شریک کانفرنس ہونے لگے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر حصہ ملک میں اپنی قومی ضرورتوں پر توجہ کرنے کی خواہشیں بڑہتی جاتی ہیں۔ اور اگر نواب محسن الملک کی طرح دوسرے قومی لیڈر بھی کانفرنس کی آواز اطراف ملک میں پہنچائیں۔ تو شریف خاندانوں کے مربی اور سرپرست پوری ہمدردی اور توجہ سے اسمیں شریک ہونے کو تیار ہیں۔

سنہ ۱۹۰۵ء کی کانفرنس علیگڈہ سے نواب محسن الملک بہادر نے یہ انتظام کر دیا کہ کانفرنس کے رزولیوشنوں کی نگرانی اور علمی کاموں کی جانچ اور کانفرنس کے متعلق دوسرے شعبوں کی دیکھ بھال صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب بیرسٹرایٹ لا اریبن اور جناب آر بلی صاحب قادری بیرسٹر کو اُنکے متفرق کام سپرد کر دیئے۔ صاحبان موصوف نہایت قابل قدر طریق سے بتدریج عملی تدبیرات سے کام لے رہے ہیں۔

کانفرنس کے شعبے

سرسید کی حیات ہی میں نواب محسن الملک کو مدت سے اس امر کی شکایت تھی کہ بجائے دلچسپی اور شوق کے روز بروز کانفرنس کی طرف سے بددلی اور بے توجہی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی خاطر خواہ اشاعت نہیں ہوتی اور نہ کانفرنس میں کوئی عملی کارروائی ہوتی ہے۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں نواب محسن الملک نے اسکی جانب خاص توجہ کی خود بمبئی پونا دہلی میرٹھ مظفرنگر سہارنپور رام پور

الہ آباد اور بریلی کا دورہ کیا۔ اور کانفرنس کی گذشتہ اجلاسوں کے رزولیوشن سرسید
سے لکھوا کر چھپوا کر شائع کئے۔ یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ اور کانفرنس میں از
سر نو جان پڑ گئی۔ کانفرنس سے متعلق نواب محسن الملک مرحوم کی یہ سرگرمی دیکھ کر ۱۸۹۵ء
میں اودھ پنچ نے ایک کارٹون شائع کیا تھا۔ جس میں کانفرنس کو ایک مردہ جسم دکھایا
تھا۔ اور نواب محسن الملک اپنی کوششوں کی برقی قوت سے گویا اس میں جان ڈال
رہے تھے۔ عملی کارروائی کرنے کی انہوں نے یہ تدبیر کی کہ کانفرنس کے ایک سنٹرل
اسٹینڈنگ کمیٹی علیگڈھ میں قائم کی۔ جسکا مقصد یہ تھا کہ وہ اغراض کانفرنس کی
تکمیل اور پاس شدہ رزولیوشنوں کی تعمیل کرتی رہے۔ اس کے سکرٹری اور ممبر آنریبل
حاجی محمد اسمٰعیل خان۔ پریسیڈنٹ سرسید والئی پریسیڈنٹ صاحبزادہ آفتاب احمد
خان صاحب۔ اور جائنٹ سکرٹری اور ممبر خود نواب محسن الملک تھے۔ اور پھر اس
سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے چار حسب ذیل سیکشن (شعبے) تھے:-

(۱) سیکشن متعلق تعلیمی مردم شماری مسلمانان۔ اس کے ممبر آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل
صاحب اور شیخ عبداللہ بی اے ایل ایل بی اور ممبر ولایت حسین صاحب بی اے
سکنڈ ماسٹر اور مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل کالج ممبر اور سکرٹری تھے۔ اس صیغہ کی غرض یہ
تھی۔ کہ دریافت کیا جائے کہ ہندوستان کے کس شہر یا قصبہ یا گاؤں میں کتنے
بچے قابل تعلیم ہیں۔ اور ان کی تعلیم کا کیا بندوبست ہے اور کوئی بندوبست نہ ہونے
کی صورت میں اس کی کیا وجہ ہے۔ تاکہ ان وجوہ پر غور کرکے ان کی تعلیم کی راہ نکالی جائے
لیکن اس شعبہ کا کام نہیں چلا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بغیر کافی عملے کے چل بھی نہیں
سکتا۔ ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۵ء کی کانفرنس میں اسے پھر زندہ کرنے کی کوشش کی گئی
تھی۔ مگر یہ تحریک جہاں تھی وہیں رہی۔ اب نہ یہ کوئی مستقل صیغہ ہے نہ اسکا کوئی
سکرٹری یا ممبر۔

(۲) سیکشن متعلق قایم کرنے ماتحت مدارس کے۔ اس سیکشن کے ممبر ڈاکٹر
ضیاء الدین احمد ایم اے پی ایچ ڈی مولوی بہادر علی ایم اے مرحوم اور ممبر ولایت حسین

صاحب بی اے اور سکرٹری مسٹر تھیوڈر ماریسن پروفیسر کالج تھے۔ اس صیغہ کی کوششوں سے امروہہ اسکول۔ جلالی اسکول۔ مارہرہ اسکول۔ شیروانی اسکول اور اٹاوہ ہائی اسکول قائم ہوئے۔ جن میں سے سوائے جلالی اسکول کے سب کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اس صیغہ کے سکرٹری اب ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب ہیں۔

(۳) سیکشن عام معاملات۔ اسکے ممبر اور سکرٹری وغیرہ وہی صاحب تھے جو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے تھے۔ دہلی کانفرنس یعنی سنہ ۱۹۰۲ء میں اسکے سکرٹری نواب محسن الملک ہوئے۔ یہ صیغہ غالباً اب قائم نہیں ہے۔

(۴) سیکشن تعلیم نسواں:۔ اسکے ممبر نواب محسن الملک بہادر۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب۔ صاحبزادہ سلطان احمد خانصاحب بیرسٹرایٹ لا۔ آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب۔ اور مولوی بہادر علی صاحب ایم اے اور سکرٹری مولوی سید کرامت حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا تھے۔ مولوی سید کرامت حسین صاحب صرف عارضی طور پر تھے۔ پہلے مستقل سکرٹری میرٹھ کانفرنس کے موقعپر مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور۔ اور سنہ ۱۸۹۹ء میں اسکے سکرٹری صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب سکرٹری ہوئے۔ مگر یہ صیغہ بھی عالم خواب میں رہا۔ یہانتک کہ سنہ ۱۹۰۲-۳ء کی کانفرنس میں رزولیوشن نمبر ۶ کے ذریعہ سے اسے پھر زندہ کیا گیا اور شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی اس کے سکرٹری قرار پائے۔ اور اس وقت سے ماشاءاللہ اس صیغہ نے نہایت سرعت کے ساتھ حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ایک خاص تعداد تعلیم و ترقی نسواں کو ضروری و واجب خیال کرنے لگی ہے۔ خاتون کے نام سے صیغہ کا ایک رسالہ جاری ہے۔ علیگڈھ میں اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء سے ایک زنانہ نارمل اسکول قائم ہوگیا ہے جسمیں تعلیم کے لئے استانیاں تیار کی جاتی ہیں۔ جس کے لئے ہرہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال نے سو روپے ماہوار مقرر فرمائے ہیں۔ ہرہائی نس مرحوم نواب صاحب بہاولپور نے بھی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ نواب صاحب کا انتقال ہوگیا۔

ہز ہائی نس آغا خان نے بھی اس کی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء تک زنانہ نارمل سکول میں ۵۴ لڑکیاں داخل ہو چکی تھیں۔ صیغہ کو بالاوسط ۵ سو روپیہ ماہوار کی آمدنی متفرق چندوں سے ہو جاتی ہے۔ پندرہ ہزار روپے ہز ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال نے زنانہ کورس کی تیاری کے لئے عطا کئے ہیں۔ اور ڈھائی سو روپے ماہوار زنانہ نارمل اسکول کے خرچ کے لئے گورنمنٹ صوبجات متحدہ نے منظور کئے ہیں لکھنو کانفرنس یعنی ۱۹۰۴ء سے اجلاس کانفرنس کے موقع پر زنانہ دستکاری کی نمائش بھی ہوا کرتی ہے۔ جس کو امید سے بہت زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ اور اس نمائش کی ہز ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال اور رانی صاحبان خاندان ریاست پٹیالہ ہز ہائینس کنور رانی صاحبہ پٹیالہ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب نبھا ونگر کی ۹ سالہ صاحبزادی اور نواب صاحب مانگرول کی دونوں بیگمات اور ہز ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ نے اپنے ہاتھ کی دستکاریوں کے نمونے بھیجکر نمائش کی سرپرستی کی ہے۔ غرضکہ شیخ عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی سکرٹری صیغہ کی کوشش ہر طرح مشکور ہوئی ہے۔ حضور پرنس آف ویلز کی یادگار تشریف آوری میں زنانہ نارمل اسکول علیگڈھ میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کو وظیفے دینے کے لئے ایک فنڈ بھی کھولا گیا ہے۔ جسکی سکرٹری مسز نیاز احمد صاحبہ ہیں۔

کانفرنس کے مذکورہ بالا صیغے تو پہلے سے قایم تھے۔ مگر ۱۹۰۳ء کی دہلی کانفرنس میں ایک خاص رزولیوشن کے ذریعہ سے ان پر دو اور صیغوں کا اضافہ ہوا۔ یعنی صیغہ اصلاح تمدن اور صیغہ ترقی اردو۔ ان کی کیفیت حسب ذیل ہے:۔

صیغہ اصلاح تمدن:۔ اس کے سکرٹری خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے ایل ایل بی قرار پائے۔ خواجہ صاحب نے نہایت سچی اور بے ریا ہمدردی سے اس شعبہ کے ماہوالمقصود میں غور کر کے قوم کی اصلاح اور بہتری کے لئے عملی پند و نصائح سے کام لیا تھا۔ اور ان کاموں کے متعلق عصر جدید نام ماہوار رسالہ شائع کیا تھا۔ جو کئی برس تک اپنے فرائض نہایت سچی ہمدردی سے پورے کرتا رہا۔ اور خواجہ صاحب کی سچی ہمدردی سے اکثر شریف خاندانوں اور عاقبت اندیش لوگوں میں

اسکا عملی اثر بھی شروع ہوا۔ گویا ایک کام کی تخم ریزی ہوئی اور جیسے تخم ریزی کا قاعدہ ہے کہ کچھ بیج کھیت کی منڈیروں پر جا پڑتے اور ضائع ہو جاتے ہیں اور کچھ بیج چڑیاں چگ لیتی ہیں۔ اور کچھ بیج نامعلوم طور سے اوگتے نہیں۔ اور کچھ زمین کی شوریت یا تری و خشکی سے خراب ہو جاتے ہیں۔ باقی جو بیج اچھی زمین پر باقاعدہ طور سے پڑتے وہ فصلی حالتوں کے حسب حال نشو و نما حاصل کرتے ہیں ویسے ہی عصر جدید کے پند و نصائح اور خواجہ صاحب کے اسپیچ و لکچر کی تخم ریزی نے بھی اپنے نشو و نما کی امید دلائی تھی لیکن افسوس ہے کہ صیغہ کی جانب سے کانفرنس کی لاپروائی سے بددل ہو کر خواجہ صاحب نے صیغہ کی سکرٹری شپ سے سنہ ۱۹۱۰ء میں ڈھاکہ کانفرنس کے موقعہ پر استعفا دیدیا اور انکی سکرٹری شپ کے ساتھ صیغہ بھی ٹوٹ گیا اور عصر جدید خواجہ صاحب کا ذاتی پرچہ ہو گیا۔

صیغہ اصلاح ترقی اردو:۔ یہ صیغہ سنہ ۱۹۰۱ء کی دہلی کانفرنس کے موقعہ پر ایک خاص رزولیوشن کے ذریعہ سے قائم ہوا تھا۔ اور مولانا شبلی نعمانی اس کے سکرٹری قرار پائے تھے۔ اور سال ڈیڑھ سال تک کامیابی سے چلتا رہا۔ کئی کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں۔ مگر سکرٹری صاحب کی علالت اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے اسکا کام بند ہو گیا اور سنہ ۱۹۰۵ء کی علیگڈہ کانفرنس میں سکرٹری کا استعفا پیش ہوا اور ان کی بجائے جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی رئیس بھیکن پور ضلع علیگڈہ کے سکرٹری ہوئے جنکی فاضلانہ قابلیتیں ظاہر ہیں۔ تقرر سکرٹری کے وقت اسسٹنٹ سکرٹری شپ کے لئے خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے ایل ایل بی نے مولانا سید امجد علی صاحب اشہری مولانا خواجہ غلام الحسنین صاحب اور مولانا ابو الکلام صاحب آزاد کے نام بھی تجویز کئے تھے۔ مگر سخت افسوس ہے کہ اگر صیغہ کا نام اب صرف رپورٹوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کام دیکھو تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ مذہبی اور دنیاوی ضرورتوں اور قوم کی تعلیم اور مغربی علوم کو اپنی زبان میں سمجھنے کے لئے عام مسلمانوں کو اردو کی اصلاح

ترقی کے لئے دامے درمے قلمے قدمے آمادہ ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ اور وہ اسی زبان کی اصلاح و تکمیل سے اپنی تعلیم و تہذیب پر فخر اور مغربی تعلیم کے مفید نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کام معمولی باتوں سے پورے نہیں ہو سکتے جبتک کہ اُن کے پورے ہونے کے لئے روشن خیال اور ذی وجاہت مسلمانوں کی باا‌ثر جماعت بہت بڑی آمادگی اور کوشش متفقہ سے اس کام کو جاری نہ کرے۔ اس حیثیت کے مولانا شبلی صاحب نعمانی جب سکریٹری قرار پائے تھے تو اس سے امید بندھی تھی۔ کہ اُردو کی رفتار ترقی پہلے سے زیادہ بڑھ جائے گی مگر مولانا شبلی صاحب کو اس کام کے لئے کافی مہلت نہ ملی اور تین ممبر ایک پریسیڈنٹ ایک سکریٹری جو مقرر ہوئے اُن کے مقامات سکونت میں بعد المشرقین کا عالم رہا۔ تاہم پہلے سال جو کام شروع ہوا تھا اس سے امید ہوتی تھی کہ بتدریج اسکی ترقی ہوجائے گی لیکن امید ترقی کی جگہ ہر سال تنزل ہوتا گیا اور اب اسکی ترقی کے آثار محسوس نہیں ہوتے۔ مشتاق طبیعتیں مایوس ہوگئی ہیں۔ اور اس امر کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ہر بہی خواہ زبان اردو کی دلی خواہش ہے کہ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی علیگڈھ میں ایک باا‌ثر کمیٹی منعقد فرما کر تمام ضرورتوں پر غور فرمائیں۔ جب تک صدر کمیٹی علیگڈھ اس ضرورت کے مناسب حال اعلےٰ پیمانہ پر کام شروع نہ کرے اور ہر قسم کے کاموں کیلئے فراہمی فنڈ و عطائے معاوضہ کا کافی بندوبست نہ ہو ان برائے نام باتوں سے کام نہیں چل سکتا۔ چند کام جن پر اردو کمیٹی کی توجہ خاص طور پر مبذول ہونا چاہئے یہ ہیں۔

(۱) اعلےٰ درجہ کی تصانیف کی قدر دانی۔

(۲) قابل قدر تالیفات کی قدر۔

(۳) اعلےٰ تراجم کا قبول کرنا۔

(۴) فنون لطیفہ مثل خوشنویسی و مصوری و نقاشی و موسیقی کی جوہر شناسی

(۵) تمام تصانیف وتراجم وغیرہ کی اشاعت اور انطباع اور فروخت کتب کا انتظام۔

جبتک کوئی با اثر کمیٹی ان سب کاموں کے لئے تیار نہ ہوگی یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ اُمید ہے کہ علیگڈہ اس نہایت ضروری کام کو اپنے درجہ اور وقار اور اپنے مرکز تعلیم ہونے کی عزتوں کا خیال کرکے انجام دینے کے لئے سرگرمی سے آمادہ ہوگا۔

ڈیوٹی ڈپوٹیشن

ڈیوٹی سوسائیٹی یا انجمن الفرض جو صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے اپنی طالب علمی علیگڈہ کالج کے زمانہ میں قایم کی تھی۔ وہ سرسید کے زمانہ میں صرف ایک دوکان بورڈنگ ہاؤس کے اندر تھی۔ یہ دوکان اسٹیشنری اور طلبہ کی روزمرہ کی صرف ضروریات کی کچھ چیزیں اور قومی کتابیں فروخت کرتی اور مختلف دوسرے طریقوں سے اسکے ممبر روپیہ جمع کرکے کالج اور طلبہ کی امداد کرتے تھے۔ جس سے طلبہ کے دلوں میں کالج کے ساتھ ہمدردی اور اس کی امداد کے لئے عملی کام کرنے کی خود بخود ترغیب وتحریص ہوتی تھی۔ مگر نواب محسن الملک کے زمانہ میں اسکے ڈپوٹیشن کالج کی بڑی تعطیل کے زمانہ میں ملک کے مختلف حصوں میں جانے شروع ہوئے۔ جس سے اب کالج کو ایک معتدبہ سالانہ آمدنی ہوجاتی ہے۔ ایک مرتبہ اولڈ بوائز ڈنر کے موقعپر نواب محسن الملک نے خود فرمایا تھا کہ "پہلے سال جب میں نے ڈپوٹیشن روانہ کئے ہیں۔ تو مجھے اسقدر کامیابی کی ہرگز امید نہ تھی"۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں سرسید کی برسی کے موقعہ پر شیخ عبدالقادر صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا نے کالج کے اثر کے متعلق خوب ریمارک کیا تھا کہ "جتنا روپیہ خود سرسید پنجاب میں آکر زندہ دلوں کے گروہ سے نہ لے جاتے تھے"۔ سنہ ۱۹۰۵ء کے ڈیوٹی ڈپوٹیشنوں نے ۳۵ ہزار روپیہ جمع کیا تھا کالج میں طلبا ابتدا ہی کے

کارنامے بحیثیت سکرٹری ڈیوٹی ڈیپوٹیشن نہایت کامیاب رہے ہیں ان میں سے تین نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یعنی سید مصطفےٰ حسین صاحب رضوی جنہوں نے ۷۵ ہزار روپیہ جمع کیا۔ سید محمود صاحب نے ۲۵ ہزار اور تصدق احمد خان صاحب شروانی نے ۱۲ ہزار۔ یہ اعداد ۱۹۰۵ء تک کے ہیں۔

عربک اسکالرشپ

عربک اسکالرشپ یا عربک پوسٹ گریجوایٹ ایجوکیشن جو نواب محسن الملک کے عہد کی یادگار ہے۔ اسکی ابتدا اسطرح ہوئی کہ ۱۹۰۳ء میں جب پروفیسر گارڈنر براؤن رعایتی رخصت کے بعد ولایت سے واپس ہوئے تو جامعہ الازہر یونیورسٹی کی سیر کی۔ اور علیگڈھ آتے آتے یہ اسکیم پیش کردی کہ مسلمانوں کو انگریزی کی اعلےٰ تعلیم کے ساتھ عربی کی بھی اعلےٰ تعلیم حاصل کریں اس تجویز کا نام اسکے مجوز کی نسبت سے "براؤن اسکیم" ہوا۔ اور اسکی ہندوستان اور خود کالج کے ہر گوشہ سے سخت مخالفت ہوئی سب سے سرگرم مخالف خود نواب محسن الملک تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں عربی کی جانب متوجہ ہو کر مسلمانوں کی انگریزی کی تعلیم کی جانب سے غافل ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن آخر سخت سخت مباحثہ اور ردوکد کے بعد یہ اسکیم منظور ہوئی۔ اور عربک پوسٹ گریجویٹ ایجوکیشن کی کلاس کھل گئی۔ تاکہ جو مسلمان طلبا گریجویٹ بننے کے بعد عربی کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں۔ وہ معقول وظیفہ لیکر سلسلہ تعلیم کو جاری رکھ سکیں۔ اس کلاس کے لئے ایک یورپین مستشرق جرمنی سے بلایا گیا ہے۔ اس پروفیسر کے اسسٹنٹ عربی و فارسی کے مشہور ادیب مولوی حمید الدین صاحب بی اے ہیں۔ عربی کلاس کے اخراجات کی بابت گورنمنٹ صوبجات متحدہ نے ایکہزار روپے ماہوار مقرر کئے ہیں۔ اس کلاس کے لئے کافی سرمایہ بہم پہنچانے میں ہمدردان قوم خصوصًا فیاضان اودھ نے بڑی سیر چشمی کا اظہار فرمایا ہے۔

کالج کے معزز مہمان

نواب محسن الملک کی مدت سکرٹری شپ میں کالج کے اندر بہت سے معزز مہمانوں کے قدم رنجہ فرمانے سے خود کالج اور کل مسلمانوں کو جو عزت نصیب ہوئی اس پر جہاں تک فخر کیا جائے کم ہے۔ ہز آنر لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ کا کالج میں تشریف لے جانا تو ایک بالکل معمولی اور روزمرہ کا معاملہ ہے۔ کیونکہ کالج کا پیٹرن ہونے کی حیثیت سے ان کا وقتاً فوقتاً کالج کو دیکھنا ضروری ہے۔ لیکن دیگر مشاہیر و معززین کی تشریف آوری نے ان واقعات کو کالج کی تاریخ کا ایک شاندار باب بنا دیا ہے۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں ہز اکسلنسی لارڈ کرزن تشریف لے گئے۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں جنرل سر الیفرڈ گیسلی کمانڈنٹ ناردرن کمانڈ کالج میں تشریف لے گئے ہندوستان کے کئی والیان ریاست جیسے ہز ہائینس مہاراجہ صاحب اندور۔ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور اور ہز ہائینس نواب مالیر کوٹلہ۔ ہز ہائینس بیگم صاحبہ مرشد آباد گذشتہ آٹھ دس سال کے اندر اپنی رونق افروزی سے کالج کو عزت بخش چکے ہیں۔ کئی ممبران پارلیمنٹ نے بھی خاص طور پر علیگڈھ جا کر کالج کو دیکھا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ قابل فخر اور ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہز رائل ہائی نس پرنس و پرنسس آف ویلز اور ہز مجسٹی شاہ افغانستان کی تشریف آوری ہے۔ حضور پرنس و پرنسس آف ویلز نے ۱۰ر فروری سنہ ۱۹۰۶ء کو کالج کا معائنہ فرمایا۔ اور پانچسو روپے جیب خاص سے کالج فنڈ کو مرحمت فرمائے۔ ہز رائل ہائی نس نے کالج کے ٹرسٹیوں اور دیگر معزز مہمانوں کے ساتھ لنچ بھی تناول فرمایا۔ ۱۰ر مارچ سنہ ۱۹۰۷ء کو ہز مجسٹی امیر کابل کا ورود ہوا۔ ہز مجسٹی کالج کے تمام انتظامات سے بے حد محفوظ ہوئے۔ اور ۲۰ ہزار روپے نقد اور چھ ہزار روپے سالانہ علی الدوام کالج کو مرحمت فرمائے ہز اکسلنسی لارڈ منٹو موجودہ وائسرائے و گورنر جنرل ہند اور ہز آنر سر ڈنزل اببٹسن موجودہ لفٹننٹ گورنر پنجاب بھی کالج دیکھنے کا قصد کر چکے ہیں۔

پرنس آف ویلز سائنس اسکول

ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز کے معائنۂ کالج کو اور قبول دعوت سے قوم کو خالی خولی فخر و افتخار ہی نہیں ہوا۔ بلکہ کالج کے لئے ایک نہایت مفید اور قابل قدر درس گاہ کا اضافہ کیا۔ یعنی چھ لاکھ روپے کے خرچ سے حضور ممدوح کی یادگار میں "پرنس آف ویلس سائنس اسکول" کا قائم ہونا قرار پا گیا۔ اور محسن الملک نے عین وقت پر نہایت عجلت سے چندہ کی کارروائی بھی جاری کر دی۔ اس کام کے خرچ وغیرہ کے لئے چھ لاکھ روپئے کا اندازہ کیا گیا ہے اس تفصیل سے کہ دو لاکھ بلڈنگ اور لیبوریٹری کے آلات کے لئے چاہئیں اور چار لاکھ روپے کا کیپٹل جس کی آمدنی سے بارہ سو روپیہ مہینہ حاصل ہو۔ یورپین اور ہندوستانی پروفیسروں کی تنخواہ اور دیگر اخراجات معمولی اوس سے ادا کئے جائیں۔ اسمیں جناب راجہ صاحب محمود آباد اور ہز ہائینس سر آغا خان نے ۲۵-۲۵ ہزار روپیہ چندہ دیا ہے۔ سب سے بڑا عطیہ ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا سیٹھ آدم جی پیر بھائی (بمبئی) کا ہے۔ اتنا بڑا عطیہ اس سے پہلے کبھی کالج کو حاصل نہیں ہوا۔ جب نواب محسن الملک بہادر نے سیٹھ آدم جی کے اس عطیہ کی اطلاع دی اور جو تار برقی پیغام موصول ہوا تھا وہ پیش کیا تو حضور پرنس آف ویلس نے اپنی زبان مبارک سے سیٹھ صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ از ان بعد قریب زمانہ میں دوسرے چندوں سے دو ڈھائی لاکھ روپیہ جمع ہو گیا۔ اور سائنس اسکول کے کشادہ ہونے میں شک و شبہ باقی نہ رہا۔ امید ہے کہ عنقریب مجوزہ رقم فراہم ہو جائے گی۔ اور بعد تکمیل مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں پرنس آف ویلس سائنس اسکول کی عالیشان عمارت میں مسلمان طالب علم مصروف درس نظر آئیں گے۔

پرشین ڈپوٹیشن

سنہ ۱۹۰۳ء میں کالج کا ایک ڈپوٹیشن ایران گیا۔ تاکہ ایران میں کالج کا اثر پہنچایا اور وہاں کے مسلمانوں کو کالج سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔ اس ڈپوٹیشن کے سکرٹری میر ولایت حسین صاحب بی اے سکنڈ ماسٹر ایم اے او کالجیٹ اسکول اور ممبر سید جلال الدین حیدر صاحب ایم اے اور سید ابو محمد صاحب بی اے تھے۔ اس ڈپوٹیشن کے ایران میں بڑی آؤ بھگت ہوئی اور ۲۰ طالب علم ڈپوٹیشن کے ہمراہ کالج میں داخل ہونے کے لئے آئے۔ جن میں چند طالب علم شاہی خاندان کے اور باقی امرار عظمائے کے تھے۔ ان میں کچھ طالب علم ہندوستان کی آب وہوا سے گھبرا کر واپس چلے گئے۔ اور جو کالج میں موجود ہیں۔ اُنپر کالج کی تربیت کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء کی علیگڈہ کانفرنس کے موقعپر آغا محمد اسمٰعیل بوشہری طالب علم مدرسۃ العلوم نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔ "خدا شاہد است بندہ از وقتیکہ باین ملک آمدم روز بروز جوش قومی من زیادہ ترقی شود۔ مخصوص امروز دریں کانفرنس اگر خداوند تعالےٰ لے نصیب بکند باز دیگر بوطن عزیز بروم۔ اگر از من سوال بکنند چہ یادگار از ہندوستان آوردی خواہم جواب داد سہ چیز۔ اول علم۔ دوم جوش قومی۔ سوم محبت وطنی۔"

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن یعنی کالج کے پُرانے طلبہ کی ایسوسی ایشن بھی نواب محسن الملک کے زمانہ میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی اور پہلے سکرٹری مولوی بہادر علی صاحب ایم اے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد سے صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب اسکے سکرٹری ہیں۔ ہر سال ایسوسی ایشن کی جانب سے اولڈ بوائز ڈنر کالج میں ہوتا ہے۔ ایسوسی ایشن کا با اثر ہونا اس سے ثابت ہے کہ کالج کے ٹرسٹیوں نے یہ قاعدہ مقرر

کر دیا ہے کہ اس ایسوسی ایشن کے کم از کم تین قایم مقام بورڈ آف ٹرسٹیز میں رہا کریں۔ اسکے ممبر اپنی آمدنی کا ایک فی صدی کالج کو دیتے ہیں۔ یہ فنڈ جسکا نام ون پرسنٹ (ایک فی صدی) فنڈ ہے اب کالج کو ۵ سو روپے ماہوار سائنس کی چیئر کیلئے دینے لگا ہے۔ اور اس فنڈ کو یوماً فیوماً ترقی ہے۔ ایسوسی ایشن کی شاخیں بھی ہندوستان کے مختلف صوبوں میں قایم ہونی تجویز ہو گئی ہیں۔ فی الحال ایسوسی ایشن کی ایک شاخ لاہور میں موجود ہے جو ۱۹۰۵ء سے قایم ہے۔ اور اس کے سیکرٹری مسٹر فیض الحسن صاحب بی اے ہیں۔

مذہبی تعلیم

اس کالج میں قومی ضرورتوں کے موافق مذہبی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ جو مسلمانوں کو ہندوستان کے کسی کالج میں نصیب نہیں۔ اور یہی وہ اعلےٰ خوبی ہے جس سے مختلف شہروں کے طالب علم پانچ وقت آپس میں مل سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے عام مسلمان نماز پڑھتے ہیں لیکن اسکے معنے سے واقف نہیں یا ہزارہا مسلمان قرآن کی تلاوت کرتے ہیں لیکن اسکے معنے سے بیخبر ہیں اس سے انکو اسلام کی روحانی علاوت کا فیض نہیں پہنچتا اور وہ حقائق ربانی سے فایدہ نہیں اٹھا سکتے وہی حال مذہبی تعلیم کا ہے کہ عام علما اپنے تلامذہ کو معقولات و منقولات کا سبق دیتے صدرا شمس بازغہ۔ حریری۔ حماسہ۔ اور فقہ و حدیث سب کچھ پڑھاتے ہیں۔ لیکن اس تعلیم سے شاگردوں کے دماغ روشن نہیں ہوتے۔ نہ اونمیں استخراج مسایل کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ وہ اون علوم کی طاقتوں سے اخلاق و تمدن کا دوسری قوموں سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اسی وجہ سے ہمارا قومی درس اور نصاب تعلیم مردہ ہوتا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ ہماری قوم کو مذہبی امور سے اتنی غفلت اور بے پروائی ہوتی جاتی ہے۔ کہ خانگی طور سے بھی انکی نسبت کوئی خاص التفات نہیں۔ اور اس زمانہ کی آزادیوں نے نئی پود کے

دلوں میں مذہب کی عظمت اور اُسکے اوامر و نواہی کی جگہ خود رائی اور مذہب کیطرف سے بے پروائی کو جگہ دیدی ہے۔ با این ہمہ اس کالج میں اگر ایک حد تک مذہب کی پابندی کیجاتی اور مذہبی تعلیم دیجاتی ہے۔ تو کچھ کم قابل قدر نہیں۔

اس زمانہ میں مغربی علوم اور فلسفۂ جدید جب تمام مذاہب کیلئے آفت ثابت ہو رہے ہیں تو اسلام کے لئے کیونکر باعث برکت ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ اور جبتک ان سے مقابلہ کرنے کو ہمارے پاس فلسفۂ جدید اسلام کے فولادی ہتھیار نہ ہوں اور ہمارا مذہبی نصاب تعلیم مذہب اور فلسفہ دونو حیثیت سے مکمل نہ ہو جائے ہم خالی باتوں سے کام نہیں نکال سکتے۔ اور نہ ہمارے پرانے درس سے نئی روشنیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اسیلئے قومی ریفارمروں نے بغیر قومی یونیورسٹی کے ان مشکلات کا آسان ہونا دشوار خیال کیا۔ اور آنریبل سید یونیورسٹی کے خیال کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اُن کے بعد نواب محسن الملک کو اسکی دھن لگی۔ خدا وہ دن لائے کہ مشرقی علوم مغربی علوم کے ساتھ دوش بدوش نظر آئیں اور فلسفۂ اسلام فلسفۂ مغرب کی بات بات کا جواب دینے کو پورے طور سے تیار ہو۔ فی الحال اس کالج میں مذہب کی معمولی تعلیم اور نماز روزہ کا معمولی چرچا اور طالب علموں کا اپنے آپکو مسلمان سمجھنا اور اسلام کو بطور عقیدہ سب مذہبوں سے اچھا جاننا بھی غنیمت ہے۔ اور نواب محسن الملک حتے الامکان اسکی جانب خاص توجہ کا اظہار فرماتے رہے۔ چنانچہ ہر سال لکھنؤ دیوبند۔ رامپور۔ ٹونک۔ لاہور وغیرہ سے عالم آتے اور مدرسۃ العلوم کے طالب علموں کی مذہبی تعلیم کا امتحان لیتے اور اون کے طرز عمل کو دیکھتے اور ہر امر کی نسبت اپنی رائیں لکھ جاتے ہیں۔ اور کبھی جب کوئی نامور صوفی اور عالم پہنچ جاتا ہے تو اسکا وعظ بھی طالب علموں کو سنوایا جاتا ہے اور خود نواب محسن الملک بہادر احکام اسلام کیموافق طالب علموں کو درستی اخلاق کی ہدایت کرتے اور اکثر انہیں بطور وعظ کے سناتے رہتے تھے۔

کالج کے ایک گوشہ میں عالیشان مسجد ہے جہاں سنی اور شیعہ طالب علم علیحدہ علیحدہ

اپنی نماز ادا کرتے ہیں اور ان کو دیکھنے سے اس کالج کی قومی خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ دینیات کی کمیٹیاں بھی سنی اور شیعہ مسلمانوں کی علیحدہ قائم ہیں جن کی تجویز سے مذہبی کورس مرتب ہوتے ہیں۔ دینیات کا درس طلبہ کو بالاستقلال دیا جاتا ہے اور دینیات میں امتحان بھی ہوتا ہے۔

سفر رنگون

نواب محسن الملک بہادر نے نزدیک دور کے مسلمانوں کو مغربی علوم کے فائدوں سے آگاہ کرنے اور مدرسۃ العلوم کی تائید و تکمیل کے لیے باوصف ضعف و پیرانہ سالی ۱۹۰۴ء میں رنگون جیسے دور مقام کا سفر گوارا کیا جہاں کے سچے سیدھے مسلمان اس زمانہ کی ضرورتوں سے پورے طور پر آگاہ نہیں اور وہ خرچ کرنے کو تو ہزاروں روپے سال خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن اس سے کوئی خاص غرض پوری نہیں ہوتی اسلئے اس حاجتمند قوم کو انکی فیاضیوں سے حصہ نہیں ملتا اسلئے نواب محسن الملک بہادر اپنی ذات سے وہاں جانے پر آمادہ ہوئے۔ اور چونکہ اس موقع و مقام کے مناسب حال بعض مذہبی خیال کے ارکان کا ہونا ضرور تھا اسلئے اس زمانہ کے مشہور واعظ حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواری اور مولوی محمد بشیرالدین صاحب منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کو جو نہایت پرجوش حامی ہیں اپنی رفاقت میں ساتھ لیا۔ اور پنجاب کے قومی سلطنت کے مولوی عبدالسلام صاحب (رفیقی) پہلے سے وہاں موجود تھے نواب محسن الملک نے رنگون پہنچکر عام مسلمانوں کے تسخیر قلوب کے لئے وہ پراثر اسپیچیں دیں اور قومی ہمدردی کے وعظ کو اپنی معجز نما تقریروں اسطرح سے ادا کیا کہ بڑے بڑے دولتمند اور پرانی وضع کے رسم و رواج اور مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے دل ہل گئے ان کے سچے اسلام نے انکو اور اپنی قوم کی ہمدردی کے لئے آمادہ کرلیا۔ اور نواب محسن الملک بہادر غیر متوقع طور سے ۳۵ ہزار روپیہ رنگون سے لیکر علیگڈھ میں واپس تشریف لائے۔ [illegible] نواب صاحب کے خیال میں تھوڑی رہی۔ وہ

فرماتے تھے کہ رنگون کے دولتمند مسلمانوں میں اسلام کی سچی محبت اور قوم کی سچی ہمدردی اور زمانہ کی ضرورتوں کے احساس کا بہت کچھ مادہ موجود ہے اور انکی فیاضیاں کسی طرح بمبئی کے دولتمندوں سے کم نہیں - اگر کوئی اس مادہ کو ہیجان میں لانے والا ہو اور وقتاً فوقتاً اسکی تحریک کرتا رہے - تو قوم کو انکی فیاضیوں سے بہت نفع پہنچ سکتا ہے رنگون میں لاکھوں روپے کے اوقاف بے انتظامی کی حالتیں تھے - انکی نسبت بھی نواب محسن الملک بہادر نے وہان کے ذی وجاہت اور با اثر مسلمانوں کو باقاعدہ طور سے اسکی نگرانی وحفاظت کو آمادہ کیا اور مولوی عبدالسلام صاحب رفیقی نے خاص طور پر اس خیال کے متعلق کوشش جاری رکھی - اسپر سنا جاتا ہے کہ اوقاف رنگون کے انتظام کے لئے مسلمانون کی ایک خاص کمیٹی مقرر ہو گئی ہے جو انکی نگرانی اور حفاظت کرے گی اور انکی آمدنیان جو فضول اور پریشان طور سے خرچ ہوتی اور غبن وتغلب میں برباد جاتی تھیں - انکو محفوظ رکھکر مناسب کاموں میں صرف کریگی خدا اس کمیٹی کے مسلمانوں کو جزائے خیر دے - امسال ڈیلوی ڈیپوٹیشن بھی رنگون گیا تھا - اور خاطر خواہ کامیاب ہوا تھا -

علی گڈھ کالج ایسوسی ایشن لنڈن

نواب محسن الملک کے وقت میں چند سال سے علیگڈہ کالج اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے واسطے لنڈن میں ایک مجلس اینگلو اورنٹیل علیگڈہ کالج ایسوسی ایشن کے نام سے قایم ہوئی ہے - اسکا مقصد یہ ہے کہ اہل انگلستان اور ولایت کے ہندوستانی باشندونکو علیگڈہ کالج اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں دلچسپی لینے کے لئے آمادہ کرے - یہ نہایت ضروری مجلس ہے - اور اس مجلس کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ممبر اس مجلس کے ذریعے سے اپنے قومی اعزاز ورسوخ اور اپنی علمی ترقیات کے لئے مناسب وقت کارروائی کر رہے ہیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کے لارڈ اور عہدہ دار جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں - یا جنکو مسلمانوں کی علمی سوسایٹی سے دلچسپی ہے

اس مجلس میں شریک ہوتے اور اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کے بانی ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب اور سکرٹری مولانا مولوی سید علی بلگرامی ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کا جلسہ ہر سال نہایت دھوم سے لنڈن میں ہوا کرتا ہے۔ اس کی ایک شاخ کیمبرج میں بھی ہے۔

ون روپی فنڈ

سنہ ۱۹۰۲ء کی دہلی کانفرنس میں اجلاس کے پریسیڈنٹ ہز ہائینس سر آغا خان نے تجویز کی تھی۔ کہ ہندوستان میں محمڈن یونیورسٹی قایم کرنے کے لئے ایک کروڑ روپیہ جمع کیا جائے۔ اس تجویز کی تکمیل اسطرح آسان خیال کی گئی کہ ون روپی فنڈ قایم کیا جائے اور ہندوستان کے مستطیع مسلمانوں سے کم از کم ایک ایک روپیہ جمع کیا جائے۔ اس فنڈ کے سکرٹری سید جعفر حسین صاحب اگزکٹو انجنیر ریاست گوالیار قرار پائے۔ اور انہوں نے اس کام کو نہایت کامیابی مستعدی اور سچے جوش کیساتھ چندسال تک انجام دیا۔ مگر اپنے فرائض منصبی کی وجہ سے آخر انہیں ون روپی فنڈ کی سکرٹری شپ سے مستعفی ہونا پڑا۔ اب اس کے سکرٹری مسٹر ظفر عمر بی اے سابق طالب علم علیگڈھ کالج حال پرائیویٹ سکرٹری ہز ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال ہیں اس فنڈ کی کامیابی میں جن لوگوں نے کوشش کی ان میں بنت نصیر الدین حیدر صاحب (حیدرآباد) خاص شکریہ کی مستحق ہیں۔ افسوس ہے کہ اس فنڈ کی مقدار ابتک صرف تین پینتیس ہزار روپے تک پہنچی ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ

آل انڈیا مسلم لیگ ایک انجمن ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے پولٹیکل حقوق کی حفاظت کیلئے چندسال سے قایم ہے۔ اس کے سکرٹری نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ ہیں۔ اس انجمن کو ادا

محسن الملک کی لائف سے صرف اسی قدر تعلق ہے کہ ڈھاکہ کانفرنس میں نواب وقار الملک بہادر کیساتھ وہ بھی سکرٹری قرار پائے تھے[۱]

نواب محسن الملک اور علیگڈھ گزٹ

جہاں نواب محسن الملک مرحوم نے سرسید کے بعد اُن کے تمام کاموں کو اپنے ذمہ لیا تھا۔ وہیں علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کی اڈیٹری بھی تھی۔ سرسید کے بعد جنوری سنہ ۱۹۰۱ء تک اخبار بند رہا جس کے سبب سے تمام قومی کاموں خصوصاً علیگڈھ کالج کی صحیح اطلاعیں وقت پر شائع ہونی بند ہوگئیں۔ نواب محسن الملک کے بعض دوستوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اخبار کو از سر نو جاری کریں۔ چنانچہ بڑے اصرار کے بعد انہوں نے اخبار کے سلسلۂ جدید کا پہلا نمبر اپنی ایڈیٹری سے ۱۲ فروری سنہ ۱۹۰۱ء کو جاری کیا۔ درمیان میں کئی دفعہ ایسے حالات پیش آئے کہ اخبار کے کام سے ان کا جی چھوٹ چھوٹ گیا اور وہ اخبار بند کرنے پر آمادہ ہو ہو گئے لیکن پھر اسے سرسید کی یادگار اور کالج کا آرگن سمجھکر جاری رکھا۔ اور سو روپیے ماہوار ٹرسٹیوں سے کالج فنڈ سے اخبار کو ملنے منظور کرا لئے۔ فروری سنہ ۱۹۰۶ء سے اسکے سکینڈ (اور نواب محسن الملک مرحوم کی وفات کے بعد سے چیف) اڈیٹر مولانا سید وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی ہیں۔ مولانا کے ہاتھ میں آکر اخبار نے جو ترقی کی ہے وہ اسے کبھی پیشتر نصیب نہ ہوئی تھی۔

کالج کی ترقی کا مختصر خاکہ

۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو ہز آنر سر جیمس ڈگلس لاٹوش سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ جب آخری مرتبہ کالج میں تشریف لے گئے تو انہیں رخصتی ایڈریس دیا گیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایڈریس مذکور اس حصہ کا خلاصہ یہاں درج کر دیا جائے جس سے مختصر طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۹۸ء میں جب سرسید کا انتقال ہوا

[۱] اب آپ سکرٹری ہیں۔ سید حسن بلگرامی اسسٹنٹ سکرٹری۔ حاجی محمد موسیٰ خانصاحب شروانی رئیس دتاولی ٹرسٹی علیگڈھ کالج اور پریسیڈنٹ ... آغا خان قرار پائے ہیں ۱۲۔

تو کالج کی کیا حالت تھی - اور نواب محسن الملک المرحوم کے انتقال سے ایک سال پہلے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا -

"سنہ ۱۸۹۸ء میں کالج میں ۳۲۳ طلبا تھے - اب ۸۱۵ ہیں۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں ۳۱ طلبا بی اے میں کامیاب ہوئے تھے امسال ۴۷ ہیں۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں فیس سے ۹۸۷۸ روپے آمدنی ہوئی تھی - مگر امسال یہ ۳۸۷۳۹ روپے تک پہنچ گئی ہے - سنہ ۱۸۹۸ء میں کل آمدنی کالج کی مختلف ذرائع سے ۷۲۸۳۰ روپے سالانہ تھی - اور اب ۱۴۴۳۰۵ روپے ہے - سنہ ۱۸۹۸ء سے آج تک آٹھ لاکھ روپے چندوں اور عطیوں سے وصول ہو چکے ہیں - اسٹریچی ہال جو مدت سے ناتمام پڑا تھا - ہز آنر کی فیاضی اور کرم فرمائی سے تکمیل کو پہنچا - اور اس کے ہر دو جانب کی عمارات بھی ہز آنر کی مہربانی سے تیار ہوئیں - کرزن ہسپتال - آدم جی پیر بھائی منزل - آرنلڈ ہوس اور ممتاز بورڈنگ ہوس بھی تمام ہو چکے ہیں - نیا یونین ڈیبیٹنگ ہال جو زیر تعمیر ہے نواب صاحب مالیر کوٹلہ کا عطیہ ہے - مسجد کے برج اور مسجد کے تین مینار بھی مکمل ہو چکے ہیں - راجہ صاحب نانپارہ نے تیس ہزار اسکول کی عمارت کیلئے عطا کیا ہے - مگر عمدہ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے ابھی کام شروع نہیں ہوا - مولوی حبیب الرحمن خان - نواب حسن علی خان - خان بہادر مرزا اسد خان - نواب اعتماد الملک اور مولوی نظام الدین حسن نے عربی وظائف کے واسطے فیاضی سے روپیہ دیا ہے - عربی کی پروفیسری کے قیام سے متعلق جسکے لئے ہز آنر نے گورنمنٹ کیطرف سے معقول امداد عطا فرمائی ہے - راجہ صاحب نانپارہ نے بارہ سو روپیہ سالانہ مستقل طور پر دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور راجہ تصدق رسول خان نے پچیس ہزار کی ایک رقم عطا فرمائی ہے اور مولوی نظام الدین حسن - سید علی امام - خلیفہ محمد حسین - حکیم اجمل خان - شیخ نوشاد علیخان اور شیخ شاہد حسین نے بھی فیاضی سے اس فنڈ کے واسطے چندہ دیا ہے - یوروپین پروفیسر عربی اس سال کے آخر تک آنیوالا ہے - ہز رائل ہائی نس پرنس و پرنسس آف ویلز کی تشریف آوری کی یاد میں ہز ہائینس سر آغا خان نے سائنس کا ایک اسکول کھولنے کی تجویز پیش کی اور دس ہزار

ﮯ تازہ ترین اعداد و شمار بابت سنہ ۱۹۱۱ء یہ ہیں :- تعداد طلبا (۸۰۱) سالانہ آمدنی (۱۵۳۶۵۵ روپے) نواب محسن الملک کے عہد میں کالج کو دس لاکھ ۳۳ ہزار ۹ سو ۱۷ روپے کی آمدنی ہوئی۔

روپیہ اس کیواسطے عطا فرمایا تھا۔ اسکے بعد ہی سیٹھ آدم جی پیر بھائی نے ایک لاکھ دسہزار روپیہ عنایت فرمایا۔ جس کے واسطے تمام قوم ان کی مشکور ہے۔ آنریبل راجہ علی محمد خان والی محمود آباد نے ۳۵ ہزار روپئے دسمبر ۱۹۰۷ء میں دیئے۔ نواب ممتاز الدولہ فیاض علیخاں بہادر نے دسہزار۔ سرکریم بھائی ابراہیم متوطن بمبئی نواب علی حسین خان سید حسن امام۔ خلیفہ محمد حسین۔ محمد نسیم اور سید التفات رسول نے فراخدلی سے سائنس اسکول کے واسطے چندہ دیا ہے۔ لیکن ہم خاص طور سے ہز آنر کے ممنون ہیں جنہوں نے بڑی عالی حوصلگی سے بیس ہزار روپیہ حال میں اس اسکول کے واسطے عطا فرمایا ہے۔ ممتاز بورڈنگ ہوس نواب ممتاز الدولہ بہادر سی۔ آئی۔ ای پریسیڈنٹ ٹرسٹیاں کالج نے تعمیر کرایا ہے۔ پہلے ۲۸ ہزار روپیہ اسکے لئے دیا گیا تھا۔ مگر بعد ازاں نوابصاحب بہادر کی فرمائش سے اسکی مقدار پچاس ہزار تک بڑھا دی گئی تاکہ بورڈنگ میں ۱۲۵ لڑکے رہ سکیں۔ نواب فیاض علیخان صاحب بہادر اس سال ساٹھ ہزار سے زیادہ روپیہ کالج فنڈ کیواسطے دے چکے ہیں۔

یورپین اسٹاف کا اثر

سرسید کے زمانہ میں ایک بار چند انتظامی معاملات کی وجہ سے کالج کے طلبہ میں سخت برہمی پیدا ہوئی اور فورًا ہی رفع بھی ہوگئی تھی۔ لیکن اس قسم کے [illegible] کی تکرار کا دائمی انسداد ضروری تھا۔ اسکی تدبیر ایک طویل تحریر کے ذریعے سے سرسید کو آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب نے یہ بتائی تھی کہ کالج کے چند انتظامات میں یورپین افسران اسٹاف کو بھی دخل دینا چاہیئے۔ یہ تجویز عام طور پر پسند کی گئی۔ اور نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔ لیکن افسوس ہے کہ نواب محسن الملک کے عہد میں یورپین اسٹاف کی مداخلت کالج کے انتظامی معاملات کے اندر حد سے زیادہ بڑھ گئی جو کالج کی خصوصیات اور روایات کے لحاظ سے بالکل نا روا بات تھی۔ گو اس خرابی کو ہمیشہ نواب محسن الملک مرحوم کی کمزوری پر محمول کیا گیا۔ مگر اس کے

اصلی جواب دہ درحقیقت کالج کے وہ ٹرسٹی ہیں جو کالج کی نگرانی کا تمام بار سکرٹری اور
چند دوسرے کام کرنے والے لوگوں پر بنا اس وجہ سے ڈال دیتے ہیں کہ ان کو سکرٹری
اور دیگر کارکنوں پر بھروسا ہوتا ہے۔ بلکہ محض اس سبب سے کہ وہ کالج کی ٹرسٹی شپ کو صرف
نام و نمود اور جاہ پرستی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور کالج اور قوم کے لئے کسی قسم کی تکلیف
برداشت نہیں کرنی چاہتے۔ اگر اتنی اہم ذمہ داری کے کام کو صرف معدودے
چند لوگ کامیابی کے ساتھ اٹھا سکیں تو پھر ٹرسٹیوں کی اتنی بڑی اور شاندار جماعت
رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ الغرض جس طرح سر سید مرحوم کے زمانہ میں شام بہاری لال
نے روپیہ غبن کیا اسی طرح نواب محسن الملک مرحوم کے عہد میں یورپین اسٹاف نے
سکرٹری اور ٹرسٹیوں کے اثر کو غصب کیا۔ جسکے جواب دہ سر تا سر غیر ذمہ دار ٹرسٹی ہیں

قیصر ہند کا طلائی تمغہ

نواب محسن الملک بہادر کی اولو العزمی اور عالی دماغی اور ان کے مشہور آفاق خدمات
رفاہ عام اور نظام گورنمنٹ کی قدر دانیوں نے انکو ان کے شایان شان اور حسب
حال خطابات نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ بہادر سے سرفراز فرمایا اور
انکی شہرت عام بلند نامی نے ان کے خطاب محسن الملک کو زبان زد خاص و عام کر دیا۔
اور انکا یہ خطاب سرکاروں اور درباروں اور اخباروں میں عام طور سے قبول کر لیا گیا۔
انکے لئے اس سے زیادہ کیا کوئی خطاب و لقب شہرت کا ہو سکتا تھا۔ لیکن جب کہ
جناب ممدوح کو دوسرا سرسید تسلیم کر لیا گیا۔ اور جب ان کے لاثانی خدمات سے قوم کو غیر متوقع
فوائد اور گورنمنٹ کی پالیسی کو استحکام مزید حاصل ہوا تو شاہنشاہی دربار سے انکو
بھی خطاب حاصل ہونا چاہیے تھا جو سر سید کو حاصل تھا۔ مگر دربار قیصری سے بتقریب
تشریف آوری حضور پرنس آف ویلز بہادر حسن انتظام کا صلہ قیصر ہند طلائی تمغہ مرحمت ہوا۔
اور ہز آنر لفٹننٹ گورنر صاحب ممالک متحدہ نے آگسٹ ۱۹۰۶ء میں خود علیگڑھ آکر جلسہ عام
میں نشان نواب محسن الملک مرحوم کے سینہ پر آویزاں کیا۔ ہر چند یہ اعزاز بھی ہر طرح کے

شکریہ کا مستحق ہے لیکن تمام قوم اور تمام اسلامی اخبارات نے اپنے ایسے عالی شان
لیڈر کے لئے صرف تمغۂ قیصری کو کافی خیال نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ ایک معزز خطاب
انکو اعلیٰ طبقہ کے خطاب یافتوں کی صف میں شریک دیکھنے کے آرزومند تھے اور
اگر گورنمنٹ کے سامنے ایسی نمایاں خدمات کو آنکھیں بند کر کے نہ دیکھیں۔ تو وہ قوم
کے مستحق خطاب ہونے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ اور جبکہ گورنمنٹ ہند نے ہمیشہ
ان کے کاموں سے مدد پائی اور ان کے مقبول عام خدمات کو تمام ریذیڈنٹوں نے
تسلیم کیا اور نظام گورنمنٹ کی ہر پارٹی انکی تعریف میں رطب اللسان ہے تو کسی ایک
رائے کی پولیٹیکل مخالفت سے ان کی عام خدمات سے قطع نظر کرنا روشن خیال گورنمنٹ
کے سزاوار شان نہیں ہو سکتا تھا۔ اور پھر آئندہ دوسرے امیدواران خطاب پر اثر ڈالنے
کے لئے گورنمنٹ کو انکی قابل قدر خدمات کے صلہ میں عطائے خطاب کو اپنی پالیسی
کے مزید استحکام کے لئے مناسب خیال کرنا چاہیے تھا تاکہ قابل قدر خدمات کے لئے
دوسروں کے حوصلے پست نہ ہوں۔ پس گورنمنٹ کی ذات سے قوی امید ہے
کہ وہ مرحوم کے جانشین کو جو یقیناً نواب وقار الملک بہادر ہونگے کسی شایان شان خطاب
و تمغہ سے ممتاز فرما کر مسلمانوں کو شکر گزاری کا موقعہ دیگی۔

کالج کے طلبا کی خوفناک ہڑتال

گزشتہ چند سال سے کالج اور بورڈنگ ہاؤس کے اندرونی انتظامات میں
ایسے نقائص اور ان کے انسداد کی جانب سے مایوسی کے ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ
کالج کے طلبا انہیں کسی طرح برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اور ان کی ناراضی جوالا مکھی کے
آتش فشاں مادہ کی طرح اندر ہی اندر جوش مار رہی تھی جس نے آخرکار ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء میں
ایک ایسی خوفناک صورت اختیار کی کہ اس سے نہ صرف کالج کے در و دیوار ہل گئے
بلکہ ہندوستان کی ساری اسلامی دنیا میں لرزہ پیدا ہو گیا اور اس کی گونج ہندوستان سے
گذر کر غیر ممالک تک پہنچ گئی۔ اس ناگوار واقعہ کی مفصل کیفیت سے ملک واقف ہے

لـه سال نو کے خطابات تقسیم ہونے پر ہز آنر لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ نے محسن الملک بیگم کو اطلاع دی تھی کہ اگر نواب
صاحب زندہ رہتے تو اس موقعہ پر [illegible]

نہیں ہے جس کا اعادہ شاید ہماری اس کتاب کے احاطہ سے خارج ہو۔ لیکن مختصراً اتنا بتا دینا
ضروری ہے کہ مارچ ۱۹۰۷ء کی نمائش علیگڑھ کے موقع پر کالج کے ایک طالب علم اور
پولیس کے سپاہی میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ جس کی رپورٹ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے
پرنسپل کالج کو کی جنہوں نے طالب علم کو سزا دی۔ کالج کے طالبعلموں نے پرنسپل
صاحب کے اس حکم پر اعتراض کیا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھی کو بالکل بے قصور سمجھتے تھے
اور معتبر عینی چشم دید شہادت سے انہوں نے اسے ثابت بھی کر دیا تھا۔ القصہ کوتاہ معاملے نے
طول کھینچا اور کالج کلاسوں کے کم و بیش ۵ سو طلبہ نے ہڑتال کر دی اور کالج چھوڑ کر
چلے گئے۔ اگرچہ یہ معاملہ بظاہر کچھ زیادہ اہم نہ تھا لیکن کالج کے یورپین اسٹاف اور ان
کے یورپین حکام نے اس پر پولیٹیکل رنگ چڑھا دیا۔ اور گو طلبہ کے لیڈر معاملہ کے پولیٹیکل پہلو
سے برابر انکار کرتے رہے تھے۔ تاہم برائے چندے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ خدانخواستہ
گورنمنٹ کہیں یورپین اسٹاف کے بیان کو باور نہ کر لے اور یہ معمولی مقامی واقعہ کالج کے
حق میں مہلک ضرب نہ ثابت ہو۔ لیکن گورنمنٹ کی دوربینی و مصلحت اندیشی ہزار
تحسین و آفرین کی مستحق ہے کہ اس نے صورت معاملہ کو اسی نظر سے دیکھا جس نظر سے
از روئے انصاف وہ دیکھا جانا چاہئے تھا۔ اور ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے
بنفس نفیس کالج میں تشریف لا کر بعد تفتیش معاملہ کی نوعیت کی جانب سے مزید اطمینان
حاصل کیا۔ اسکے بعد ٹرسٹیوں نے ایک کمیشن تحقیقات مقرر کیا۔ اور اس نے بھی اپنی رپورٹ
میں شورش کا تعلق پالٹیکس سے ہونے کے متعلق اسٹاف کے بیان کو بالکل بے بنیاد
قرار دیا۔ اگرچہ اس ہنگامہ بے ہنگام کا خاتمہ خدا کی عنایت سے خاطر خواہ طریق پر ہوا۔
لیکن نواب محسن الملک کو اس صدمہ نے آدھے طرح بٹھا دیا۔ اور اس کا ان کی تندرستی
پر (جو ہمیشہ خراب رہتی تھی۔ مگر قومی کاموں کے اندر انہماک کی وجہ سے وہ اسکی
کبھی پروا نہ کرتے تھے) ایسا اثر پڑا کہ آخر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ وہ کہتے تھے کہ
میں اس رنج سے گھلتا جاتا ہوں۔ اور درواقع میں ایسا ہی تھا۔ نواب صاحب مرحوم نے
سکرٹری شپ سے استعفا بھی دیدیا تھا۔ مگر پھر چاروں طرف کے اصرار سے مجبور ہو کر واپس لیلیا

عَلالت

نواب محسن الملک مرحوم کی عام صحت عرصہ سے خراب چلی آتی تھی۔ اور اکثر اعضار رئیسہ ماؤف ہوگئے تھے۔ لیکن جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کالج طلبہ کی شورش کے بعد سے وہ ایسے گرے کہ زندگی کی جانب سے بالکل مایوس ہوگئے۔ اور بغرض علاج وتبدیل آب وہوا حسب معمول بمبئی چلے گئے۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے کام کرنے کے لئے منع کر دیا تھا۔ مگر وہ برابر قومی کام انجام دیتے رہے اور پونا او بمبئی میں مسلمانوں کی تعلیم کی متعلق اس زمانہ میں جو جلسے ہوئے ان میں برابر شریک ہوئے اور تقریرین کین بمبئی کے قیام سے گونہ افاقہ ہوا تھا۔ کہ اٹاوہ سے بڑے بھائی مولوی غلام عباس صاحب مرحوم کی سخت علالت کی اطلاع پہنچی اور وہ بمبئی سے اٹاوہ چلے گئے۔ ۲۳ رستمبر کو اٹاوہ سے علیگڈھ آئے۔ اور وہاں سے شملہ چلے گئے اور ایسے گئے کہ پھر زندہ واپس نہ آئے۔ شملہ پر حضور وائسرائے اور ہنر آنر سر ڈنزل ابٹسن لفٹننٹ گورنر پنجاب سے ملاقات کی۔ حضور وائسرائے کی خدمت میں توسیع کونسل والی اسکیم کا اپنی اور اپنی قوم کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔ اور سر ڈنزل کے تعزیتی تار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بھی اہم سیاسی وقومی معاملات درمیان آئے تھے۔

مرض الموت اور انتقال

نواب محسن الملک بہادر جب بمبئی سے شملہ تشریف لائے تو پہلے سیسل ہوٹل واقع چوڑے میدان میں فروکش ہوئے تھے۔ لیکن وہاں چند یوم ہی رہ کر پیر بابو عبد الاحد صاحب اسسٹنٹ انجنیر پبلک ورکس کی کوٹھی واقع سنجولی میں اٹھ آئے تھے نواب محسن الملک کے شملہ تشریف لانے سے ان کے مرض میں بہت کچھ تخفیف ہوگئی تھی اور بفضل خدا اچھی طرح سے سیر و تفریح کرنے لگے تھے۔ آپ کا ارادہ علیگڈھ جانے کا بھی ہوا مگر قضا نے ایک قدم بھی آگے رکھنے نہ دیا۔ ۱۳ - اکتوبر تک اس قومی حادثہ کا وہم گمان

تک نہ تھا۔ لیکن ۱۹ اور ۲۰ تاریخ کو یکایک طبیعت بگڑی اور ایسی بگڑی کہ خود نواب صاحب
کو اپنی زندگی کا بھروسا نہ رہا۔ ۲۰ تاریخ کو سرخ باد کا دورہ ہوا۔ یہ مرض آپ کو پہلے بھی کئی بار ہو چکا
تھا۔ مگر اس مرتبہ ایسا سخت ہوا کہ تمام چہرہ اور سر اور گردن پر ورم آگیا تھا جس کی وجہ سے
آنکھیں تک بند ہو گئی تھیں۔ حضور ویسرائے نے اپنے خاص سرجن کو نواب صاحب کے
علاج کے لئے متعین کیا۔ زیادتی ورم کی وجہ سے دو بار عمل جراحی پھوڑوں کے اوپر
کیا گیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ورم بڑھتا گیا۔ اور دماغ تک اس کا اثر جا پہنچا۔ تمام خون
زہریلا ہو گیا تھا۔ بخار کبھی ایک سو تین اور کبھی ایک سو چار درجہ کا رہنے لگا۔ آخر میں
نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور اپنے دوستوں اور ملازموں کو بلا کر کہا کہ
"مجھے اب اپنی زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔ پس آپ سب صاحب گواہ رہیں کہ میں صدق دل
سے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتا ہوں اور جو کچھ میں نے قوم و ملک کی خدمات
کی ہیں وہ نیک نیتی کے ساتھ کی ہیں۔ اور اگر ان میں کوئی غلطی واقع ہوئی ہو۔
تو میں بے قصور ہوں۔ کیونکہ میری سب کارروائیاں نیک نیتی پر مبنی تھیں اور میری اس
نیت کا جاننے والا میرا خدا پاک ہے۔ دوستو! تم نے میری خدمت بہت کچھ کی
ہے۔ مگر اب میری آخری خدمت یہ ہے کہ مجھ کو اٹاوہ پہنچا دینا۔ بس یہی ایک آخری
خدمت ہے۔" اگرچہ دوستوں نے بہت سا دلاسا دیا۔ لیکن محسن قوم اپنے نزدیک
اپنی پیاری قوم سے الوداع ہو چکے تھے۔ ۲۰ اکتوبر سے نواب سید سردار علی خاں بیرسٹر
بھی آپ کی ملاقات کو آئے ہوئے تھے۔ گویا اس آخری وقت میں یہی ایک رفیق
تھے جو چند یوم تک کام آئے۔ ان سے بھی فرمایا کہ میری آخری خدمت یہی ہے
کہ مجھ کو اٹاوہ پہنچا دیا جائے۔" علاوہ ازیں اور بہت سی باتیں کہیں۔ پھر ایک صاحب
سے فرمایا کہ اٹاوہ میرے بھتیجے کو خط لکھ دو۔ چنانچہ انہوں نے خط لکھنا شروع کیا
جو الفاظ زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے۔ وہ صاحب لکھتے جاتے تھے۔ آخر میں
یہ لکھوایا کہ میرا مرض بہت ترقی کر گیا ہے۔ میں شملہ سے اٹاوہ آتا ہوں۔" چونکہ آنکھ
پر عمل جراحی کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اسلئے جب خط لکھا جا چکا تو اس کو

ٹٹول کر دیکھا۔ اور ایسے بیہوش ہوئے کہ پھر ہوشیار نہ ہو سکے یہاں تک کہ اپنے بھتیجے
کا نام بھی نہ بتا سکے تھوڑی دیر بعد خود بخود باتیں کرنے لگے اور اسقدر غافل ہوئے
کہ ہذیان غالب آگیا۔ ۱۵۔ اکتوبر کی تمام رات غافل رہے۔ اور ۱۶۔ اکتوبر کو شام
کے ٹھیک ساڑھے چار بجے آپکی روح قفس عنصری سے عالم بالا کو پرواز کر گیا
اور محسن الملک بہادر اپنی پیاری قوم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ؕ

محسن الملک کا آنکھ بند کرنا تھا کہ تمام شملہ میں ایک ماتم کا عالم بپا ہو گیا۔ شملہ کے
معزز و ممتاز رؤسا اور امراء کو اطلاع دیدی گئی۔ جنہیں سے بعض بعض احباب فوراً
سنجولی پہنچے۔ اور محسن الملک کے سوگ میں شریک ہوئے۔ چنانچہ کرنل محمد عبد المجید
خان صاحب ممبر کونسل آف پٹیالہ۔ مقام کوہمٹی سے چلکر پہنچے۔ اور بڑی رات گئے
تک میت کے پاس رہے۔ راتوں رات ریل کی سواری کا انتظام کیا گیا۔ اور تمام
ہندوستان میں تار برقیاں دوڑادی گئیں۔ اور حضور وائسرائے کو بھی فوراً خبر دیگئی۔ اور
میت کے واسطے صندوق بھی شباشب تیار کرادیا گیا۔ غرضکہ تمام ضروری کام سرانجام
کو پہنچ گئے۔ صبح ہوتے ہی شملہ۔ خورد شملہ۔ کوسٹی اور لکڑ بازار وغیرہ وغیرہ کے لوگ
اور اکثر رؤسا وامراء سنجولی میں عبد الاحد صاحب کی کوٹھی پر موجود ہو گئے۔ جہاں پر
نواب صاحب کا وصال ہوا تھا۔ ۸ بجے کے بعد جنازہ تیار ہو گیا۔ اور جناب منشی
فخر الدین صاحب اور خواجہ عبد الغفار صاحب بابو عبد الاحد صاحب و کرنل عبد المجید خان صاحب
ممبر کونسل آف پٹیالہ وغیرہ وغیرہ موجود تھے۔ جب صندوق میں لاش رکھکر چہرہ
مبارک دکھایا گیا اسوقت رقت اور آہ و بکا کا عجیب عالم تھا۔ ۹ بجے کے بعد
سنجولی سے لوگوں نے جنازہ اپنے ہاتھوں سے اٹھایا۔ اور تمام شہر شملہ کے
مسلمان جنازہ میں شامل ہوئے۔ گرجا گھر کے میدان میں جنازہ کی نماز پڑھائی گئی
اگرچہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ تھا۔ مگر چونکہ ریل گاڑی کی روانگی میں تھوڑا
عرصہ رہگیا تھا۔ اس واسطے گرجا کے میدان میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ نماز

فارغ ہو کر جنازہ کو سیدھے اسٹیشن ریلوے پر لیگئے۔ گاڑی بھی بالکل تیار کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن کرنل عبدالمجید خان صاحب ممبر کونسل آف پٹیالہ نے یہ انتظام کیا تھا کہ ایک یورپین فوٹوگرافر جنازہ کی تصویر لینے کے لئے موجود تھا۔ چنانچہ فوراً جنازہ پہنچتے ہی اس کی تصویر دو حالتوں میں لیگئی۔ ایک میں جنازہ رکھا ہوا ہے اور اسکی چاروں طرف تمام مسلمان کھڑے ہوئے ہیں۔ اور دوسری فوٹو میں کرنل عبدالمجید خان ممبر کونسل آف پٹیالہ اور دیگر اصحاب جنازہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ صندوق پر سفید چادر تھی اور چادر پر ایک دوشالہ ڈال رکھا تھا۔ اور دوشالہ پر پھول تھے۔ فوٹو سے فارغ ہونے کے بعد نعش کو گاڑی میں رکھا گیا۔ لاش کا صندوق نیواڑ کے پلنگ پر رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس پلنگ کو مع صندوق گاڑی میں احتیاط سے رکھا اور نواب مرحوم کے دو پرانے ملازم گاڑی میں لاش کے پاس بٹھلائے گئے نواب محسن الملک بہادر کی لاش کے ہمراہ ایک تو ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب تھے۔ جو علیگڈھ سے نواب صاحب کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے تھے۔ دوسرے انکے کمپونڈر تھے۔ اور تین وفادار ملازم اور کرنل عبدالمجید خانصاحب آف پٹیالہ بھی اسی گاڑی میں سوار ہو کر شملہ سے رخصت ہوئے۔

تدفین کا جھگڑا

نواب صاحب کا انتقال ہوتے ہی شملہ سے ہندوستان کے ہر حصہ کو خصوصاً ٹرسٹیان کالج کی اطلاع کے لئے تار برقیاں دوڑنے لگی تھیں۔ ایک تار اسی وقت سید سردار علی خانصاحب کیجانب سے قایم مقام سکرٹری علیگڈھ کالج کے نام پہنچا جس کا مضمون یہ تھا۔

"یہ اطلاع دیتے سے دل خون ہوتا ہے کہ آج شام کے چھ بجے نواب محسن الملک بہادر کا انتقال ہو گیا کل شب کو کالکا میل سے ان کی لاش اٹاوہ کو جائیگی"۔

[illegible] انگریزی تار کے جواب میں [illegible] العلماء سے فوراً اس مضمون کا

تار شملہ کو بھیجا گیا۔ "اٹاوہ کو لاش کیوں جائے گی۔ ان کو یہاں دفن ہونا چاہیے۔"
اس تار کا جواب حسب مندرجہ ذیل وصول ہوا:-
"نواب صاحب کی لاش ان کی اس وصیت کے مطابق جو انہوں نے مرتے دم کی ہے اٹاوہ کو جائے گی۔"
اس جواب کے وصول ہونے پر علیگڈھ سے نواب صاحب مرحوم کے عزیز سید اشفاق حسین بی اے اٹاوہ کو اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ وہاں جاکر اس امر کی کوشش کریں کہ انکے اہل خاندان علیگڈھ میں نواب صاحب مرحوم کے دفن ہونے پر رضامند ہوں۔
صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے مفصلہ ذیل ارجنٹ تار حیدرآباد دکن بیگم صاحبہ مسز محسن الملک کی خدمت میں روانہ کیا۔ "نواب صاحب محسن الملک مرحوم کی لاش کا علیگڈھ کالج میں دفن ہونا مناسب ہے نہ کہ اٹاوہ میں۔ آپ اپنی مرضی سے فوراً بواپسی تار اطلاع دیں۔"
ٹرسٹیان موجودہ علیگڈھ نے نہایت عجلت کے ساتھ ایک جلسہ کرکے بالاتفاق یہ امر پاس کیا کہ نواب محسن الملک بہادر کے بیشمار احسانات مدرسۃ العلوم پر ہیں ان کے لحاظ سے مدرسۃ العلوم میں ان کا دفن کیا جانا مناسب ہے یہ گویا ان احسانات کا اعتراف ہے۔ سرسید مرحوم کے ساتھ انہوں نے مثل دائیں بازو کے کام کیا اور ان کے بعد کالج کو ایسی حیرتناک ترقی ان کی سرگرمیوں اور کوششوں سے ہوئی کہ خود سرسید کے خواب خیال میں بھی نہ تھی۔ سرسید کے پہلو میں دفن کئے جانیکا حق ان سے بڑھکر اور کس کو ہوسکتا ہے۔ اگر نواب صاحب مرحوم نے کوئی وصیت اٹاوہ میں دفن کئے جانے کی نسبت کی ہے تو اسکی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ خان بہادر زین العابدین مرحوم کے دفن کئے جانے کے بعد خاص وجوہ سے یہ رزولیوشن پاس کیا گیا تھا کہ آیندہ کوئی شخص کالج میں دفن نہ ہونے پائے اس رزولیوشن کا حال نواب صاحب مرحوم کو معلوم تھا انہوں نے اس خیال سے کہ مدرسۃ العلوم میں میرے دفن کئے جانے کی نسبت شاید کوئی دقت ہو اگر اس قسم کی وصیت کردی ہو۔ تو کوئی تعجب نہیں۔ مگر ان کی حالت خاص ہے۔ ان کی ذات پر اس ریزولیوشن کا

کوئی خاص اثر نہ ہونا چاہیئے - مدرستہ العلوم کی نہایت بدقسمتی ہوگی اگر ان کی لاش کسی اور جگہ دفن کی جائے - انہوں نے اپنی تمام زندگی مدرستہ العلوم اور قوم کی خدمت میں قربان کی اور وہ مرتے دم تک بس اسی ایک دھن میں محو رہے اس لئے ان کی لاش یہیں دفن ہونی چاہیئے - اگر اس باب میں نواب صاحب مرحوم کے عزیزوں کو کچھ اختلاف ہو تو اسکی وجہ ان کی عزیزداری کی فیلنگ ہے مگر یقین ہے کہ آیندہ وہ بھی اس تجویز کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھینگے اور ہماری اس تحریک کی قدر کریں گے؟ - ۱۷- اکتوبر کو رات کے دو بجکر ۳ منٹ پر کلکتہ میل ٹرین علیگڈہ کے اسٹیشن پر پہنچی اسوقت شہر کے بہت سے معزز لوگ اور طلبائے مدرستہ العلوم و ٹرسٹیان کالج موجود و علیگڈہ موجود تھے - نواب صاحب مرحوم کی لاش کا تابوت جس گاڑی میں تھا - اسمیں نواب صاحب مرحوم کے دو ملازم جہانگیر خان اور غنی سوار تھے - ڈاکٹر شفاعت اللہ بھی جو شملہ بہ علاج کے لئے بلائے گئے تھے اسی ٹرین میں واپس آئے تھے -

علیگڈہ میں ٹرین کے پہنچنے پر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے اسٹیشن ماسٹر صاحب سے گاڑی کاٹنے کو کہا نواب صاحب مرحوم کے عزیز سید اشفاق حسین بی اے جو علیگڈہ سوا تا وہ کو اس غرض سے بھیجے گئے تھے کہ نواب صاحب کے عزیزوں کو لاش کے علیگڈہ دفن ہونے پر آمادہ کریں - اور بعض دیگر اصحاب نے جو اٹاوہ سے نواب صاحب مرحوم کے عزیزوں کی طرف سے آئے ہوئے تھے - اس امر سے اختلاف کیا اور خواہش کی کہ گاڑی نہ کاٹی جائے بلکہ اسکو اٹاوہ تک جانے دیا جائے - صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے نواب صاحب کے عزیز نذیر بیگ صاحب کو جو دہلی سے اسی ٹرین میں نواب صاحب کے تابوت کے ساتھ آرہے تھے - اسٹیشن ماسٹر کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ نواب صاحب مرحوم کے عزیز ہیں اور لاش کے ساتھ آرہے ہیں - ان سے اس امر کی بابت دریافت کر لیجیے اسٹیشن ماسٹر نے نذیر بیگ صاحب سے دریافت کرنیکے بعد گاڑی کاٹنے کا حکم دیدیا -

۱۸- اکتوبر کو دن کے دس بجے کی گاڑی میں نواب وقار الملک بہادر بھی ریلوے اسٹیشن علیگڈہ پر پہنچے - نذیر بیگ صاحب نے ان کی اور دیگر ٹرسٹیوں کی موجودگی میں نواب صاحب مرحوم کے دونوں ملازموں اور ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب کو اپنے سامنے

بلوایا اور ان کا اظہار لیا اور اس امر کی تحقیقات کی کہ آیا نواب صاحب مرحوم نے اس باب میں کوئی وصیت کی ہے یا نہیں۔

جب یہ امر خوب پایہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ نواب صاحب مرحوم نے اپنی تدفین کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی تھی تو نواب وقار الملک بہادر بذات خود گاڑی کے پاس تشریف لے گئے اور نواب محسن الملک کا تابوت ان کے عزیزوں کی موجودگی میں گاڑی سے اتارا گیا۔ حاضرین نے تابوت کو ایک پلنگ پر رکھا اور اس پر ایک سفید دوشالہ ڈالا پھر اس پلنگ کو کندھوں پر اٹھا کر کالج کیطرف لے چلے اس وقت پونے گیارہ بجے تھے۔ نواب وقار الملک بہادر نے بیان کیا تھا کہ جن جن مقامات سے انکا گذر ہوا تمام مسلمان اس امر کی آرزو ظاہر کرتے تھے۔ کہ نواب صاحب مرحوم کی لاش مدرسۃ العلوم علیگڈہ میں دفن کیجائے۔ نماز جمعہ کے بعد مدرستہ العلوم کی مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ جس میں ٹرسٹیان کالج وطلبائے موجودہ علیگڈہ اور شہر کے بہت سے آدمی شریک تھے اس کے بعد ٹھیک تین بجے تابوت سے لاش نکالی گئی۔ اور اس احاطے میں جس میں خان بہادر سید زین العابدین مرحوم کی قبر ہے۔ اور جو سرسید مرحوم کی قبر کے احاطے سے متصل ہے نہایت حسرت و اندوہ کے ساتھ دفن کی گئی۔ یہ قبر جس میں لاش دفن کی گئی سرسید مرحوم اور سید زین العابدین مرحوم کی قبروں کے درمیان ہے نوابصاحب مرحوم کے عزیز سید اشفاق حسین نے خود اپنے بزرگ کی لاش کو قبر میں اتارا اور مرزا نذیر بیگ صاحب نے بھی اس کام میں مدد کی۔ مسجد سے باہر ہزاروں غریب اور محتاج آدمیوں کی بھیڑ تھی۔ جنکو اناج اور پیسے تقسیم کیے گئے۔ لاش کے دفن ہونے کے بعد تمام حاضرین نے فاتحہ پڑھی اور بچشم پرنم کالج کی مسجد سے رخصت ہوئے۔ سوم کی فاتحہ ۲۰۔ اکتوبر کو ادا کی گئی۔

نواب محسن الملک مرحوم کی زندگی سے چند سبق

نواب محسن الملک مرحوم کی زندگی نہایت بیش بہا تھی خصوصاً کتنا یہاں چند باتیں مولانا سید وحید الدین صاحب سلیم کے مضمون مطبوعہ پیسہ اخبار سے لکھی جاتی ہیں جو گو انکی تعداد میں داخل نہیں اور رفتہ رفتہ طبیعت ثانی بن گئی تھی

شخص اور جن سے نہایت قیمتی سبق آجکل کے مسلمانوں کو حاصل ہو سکتے ہیں۔
نواب محسن الملک کی آغاز شباب سے یہ عادت تھی کہ جو کام ملازمت کا ان کے سپرد کیا جاتا تھا۔ وہ اس کو خوب جی لگا کر انجام دیتے تھے۔ اور اسکی انجام دینے میں نہایت محنت اور جفاکشی کرتے تھے۔ جی لگا کر کام کرنے اور محنت و کوشش کا پورا حق ادا کرنے کے سبب سے ہر ایک کام۔ جو کہ وہ ہاتھ میں لیتے تھے۔ ادنیٰ حالت سے اعلےٰ حالت میں ترقی کر جاتا تھا۔ اسی سبب سے ان کے افسر بھی ان سے خوش رہتے تھے اور ان کی ترقی تنخواہ و عہدہ کے لئے ہر وقت کمربستہ رہا کرتے تھے۔
ایک عادت نواب محسن الملک مرحوم میں یہ تھی کہ وہ مختلف عقائد کے لوگوں سے نہایت دوستانہ برتاؤ کرتے تھے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ سرسید مرحوم کی نسبت زیادہ وسیع تھا۔ عیسائی۔ پارسی۔ یہودی۔ ہندو۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لوگ ان سے ملاقات کرتے تھے۔ اور کسی کو ان سے شکایت نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ سب ان کے حسن اخلاق کے مداح اور ثناخوان پائے جاتے تھے۔ ملاقات کے وقت کبھی کوئی ایسی بات ان کی زبان پر بھولے سے بھی نہیں آتی تھی۔ جو کسی گروہ کے آدمی کے لئے رنجیدہ اور باعث شکایت ہو۔
نہایت اعلےٰ اور پاکیزہ خصلت جو نواب صاحب مرحوم میں پائی جاتی تھی۔ وہ یہ تھی کہ کسی شخص کے اختلاف رائے سے ان کو کسی معاملہ میں رنج نہیں ہوتا تھا۔ وہ نہایت خندہ جبینی سے ہر شخص کے اختلاف رائے کو سنتے اور اس پر غور کرتے تھے۔ یہ اختلاف رائے کسی شخص کی طرف سے خواہ تحریری ہوتا۔ یا کوئی شخص ان کے روبرو زبانی طور پر اختلاف رائے کا اظہار کرتا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اس کے پڑھنے یا سننے کے بعد ان کے تیور پر کوئی بل آتا۔ بعض موقعوں پر ہم نے یہاں تک دیکھا ہے کہ لوگوں نے ان کے سامنے نہایت دریدہ دہنی کے ساتھ ان کی ذات پر حملے کئے اور اختلاف رائے ہی پر بس نہیں کی۔ بلکہ کھلم کھلا مخالفت کا اظہار کیا۔ تاہم وہ اُس مخالفت کو ہنسی اور خوشی کے ساتھ انگیز کر گئے اور کوئی ایسی حرکت ان سے ظہور میں نہیں آئی۔ جو ان کی شان کے خلاف

ہوتی۔ حاضرین پر اس تحمل کا بہت نمایاں اثر ہوتا تھا۔ اور اکثر حیرت میں غرق ہوجاتے تھے۔

ایک عادت ہمیشہ سے نواب محسن الملک مرحوم میں یہ تھی کہ وہ ہر ایک نئی بات کو قبول کرنے میں اوّل اوّل ہچکچاتے تھے۔ مگر جب یہ ثابت ہوجاتا تھا۔ کہ وہ بات معقول ہے گو کہ اُن کے پُرانے خیالات کے خلاف ہے۔ تو بخوشی اسکو قبول کر لیتے تھے۔ اور جب تک کہ اسکے خلاف کوئی بات ثابت نہیں ہوتی تھی۔ اسکو برابر مانتے رہتے تھے اور زبان اور قلم سے اسکی ہمیشہ حمایت کرتے تھے۔ اسی عادت نے اُن کے خیالات کو ترقی دی تھی اور ان کے دل و دماغ کو منور کیا تھا۔

مرتے دم تک نواب محسن الملک کو مطالعہ کا شوق رہا۔ انگریزی اردو اور عربی کے بہت سے رسالے اور اخبار ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ اور ڈاک کے آنے پر وہ نہایت سرگرمی کے ساتھ اُن کے دیکھنے میں محو ہوجاتے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو اور انگریزی کی کتابوں کا ایک کتب خانہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ رات کو پلنگ پر لیٹ کر جس کتاب کو وہ چاہتے مطالعہ کرنے لگتے تھے۔ اور قابل یادداشت مقامات کا نشان اس کتاب کے حاشیے پر کرتے جاتے تھے۔ جب ساری کتاب دیکھ چکتے۔ تو کتاب کے اول میں تمام قابل یادداشت مقامات کے عنوان اپنے قلم سے لکھکر ان کے سامنے صفحات کے نمبر لکھہ دیا کرتے تھے۔ اس عادت نے اُن کی معلومات کے دایرہ کو بہت وسیع کردیا تھا۔

جن لوگوں سے اُن کی جان پہچان اور ملاقات ہوتی تھی اُن کے ساتھ وہ ہمیشہ فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔ نہ حکام کو اُن کی نسبت سفارش لکھنے میں دریغ کرتے تھے اور نہ بذات خود اُن کی مدد کرنے میں کوتاہی کرتے تھے۔ سینکڑوں آدمیوں کو۔ جو مختلف قوم اور مذہب کے تھے۔ انہوں نے نوکر رکھوایا اور سینکڑوں کے ساتھ اپنی ذات سے سلوک کیا۔ فیاضی اور سخاوت اُن کی گھٹی میں تھی۔ اور یہی وہ عمدہ عادت تھی۔ جسکے سبب سے بے شمار آدمی اُن کے دام اخلاق میں ہمیشہ کے لئے اسیر ہوگئے تھے۔

اپنے ماتحتوں اور نوکروں کے ساتھ نواب محسن الملک مرحوم کا برتاؤ وہی تھا۔ جو مامون رشید کا برتاؤ تھا۔ اُن کے عفو و تحمل کی عادت نے اُن کے نوکروں کو کسی قدر

شوخ کردیا تھا اور اکثر اوقات وہ ان کی شان کے خلاف گستاخی کر بیٹھتے تھے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ وہ کسی نوکر کو اس کی گستاخی کی سزا دیں۔ یا ہمیشہ کے لئے اس سے ناراض ہو جائیں۔ نوکر ان کی عادت کو سمجھتے تھے اور اسلئے جب کبھی وہ کسی نوکر پر خفا ہوتے۔ تو وہ اپنے تئیں نہایت افسردہ اور ناراض بنا لیتا تھا۔ اس حالت میں نواب صاحب مرحوم خود اس نوکر سے اپنے برتاؤ کی معافی مانگتے تھے۔ اور بار بار مانگتے تھے جب تک کہ وہ یہ نہ کہدے کہ اب میں آپ سے راضی ہوں۔

قومی کاموں میں وہ اپنا روپیہ بے دریغ صرف کرتے تھے اور انکو مطلق خیال نہیں ہوتا تھا۔ کہ اس ایثار کا ان کے ذاتی اخراجات پر کیا اثر ہوگا۔ سر سید مرحوم نے جب سے مدرستہ العلوم قایم کیا تھا۔ وہ ہمیشہ بے مانگے اور ان کے مانگنے پر اپنے روپے سے مدرسہ کی امداد کرتے رہے۔

نواب محسن الملک اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کبھی انتقام نہ لیتے تھے نہ اس خیال کو اپنے دل میں آنے دیتے تھے۔ وہ نہایت پاکیزہ خصلت اور شریف طبیعت بزرگ تھے۔ کبھی ان کے کسی مخالف یا دشمن کو یہ خیال نہیں آتا تھا کہ وہ اس سے انتقام لینے کے درپے ہیں۔

نہ ایام ملازمت میں اور نہ بعد ایام ملازمت کے کبھی ان کے دل میں حُبِ جاہ کا خیال آیا۔ وہ جو کام کرتے تھے۔ اس غرض سے نہیں کرتے تھے۔ کہ گورنمنٹ ان کو کوئی اعزاز عطا کرے گی۔ یا قوم ان کے احسانات کا اعتراف کریگی۔ اُن کے تمام سرکاری اور قومی کام۔ جنکو وہ نہایت سخت محنت اور سرگرمی سے کرتے تھے۔ حب جاہ اور غرضمندی کے شائبہ سے پاک اور مُبرّا ہوتے تھے

جس قدر قومی کام بڑے سے بڑے ان کے ہاتھوں سے سرانجام ہوئے۔ اگر ان میں سے ایک کام بھی کسی اور کے ہاتھ سے انجام پاتا۔ تو اس کے لئے نہایت فخر اور تعلّی کا موقع تھا۔ مگر نواب محسن الملک نے کبھی اپنی ستایش یا تعلّی کا اظہار خلوت یا جلوت اور تحریر یا تقریر میں نہیں کیا۔ وہ اپنے تئیں قومی کاموں میں ہمیشہ گمنام رکھنا چاہتے تھے۔

تمام وہ انسان جو قوم کی خاطر اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں اور اپنی شخصیت کو مٹانے پر کمربستہ رہتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ اُن کی ذات گمنام ہو جائے اور ان کا نام و نشان دنیا میں چاند سورج بنکر نہ چمکے۔ نواب محسن الملک کی اسی بے نام و نمود رہ کر کام کرنے کی عادت نے ان کو دنیائے اسلام میں مسلم الثبوت قومی لیڈر بنا دیا تھا۔

مرحوم ذاتی صفات کے لحاظ سے نادرہ روزگار تھے۔ اس درجہ اس عزت اس رتبہ پر اُن کے اخلاق کا یہ حال تھا۔ کہ اونے درجہ کے آدمیوں سے بھی با ادب و عزت ملتے تھے۔ ملاقات میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے تھے۔ سب سے جھک کر ملتے تھے۔ اسکے ساتھ نہایت فراخ حوصلہ۔ فیاض سخی اور جواد تھے اور یہی اوصاف تھے جن کی وجہ سے انہوں نے ایک عالم کو مسخر کر لیا تھا۔

یادگار اور جانشینی

۱۸۔ اکتوبر کو نواب محسن الملک مرحوم کی تدفین کے بعد ٹرسٹیوں نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ مرحوم کی کوٹھی پر بصدارت نواب وقار الملک بہادر ایک جلسہ ہوا جس میں تحریک کی گئی کہ نواب محسن الملک مرحوم کی یادگار میں ایک بورڈنگ ہاؤس تعمیر کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ عام چندہ سے جمع کیا جائے۔ بعد اس بورڈنگ ہاؤس کے کرایہ کی آمدنی سے طلبہ کو وظائف دیئے جائیں۔ مگر بعد میں خیال کیا گیا۔ کہ اس غرض کے لیئے ایک لاکھ روپیہ کافی نہیں ہے۔ کم از کم تین لاکھ روپیہ ہونا چاہیئے۔ اس رقم کے فراہم کرنے کے لئے محسن الملک میموریل فنڈ کمیٹی قائم ہو گئی ہے جسکے پریذیڈنٹ نواب وقار الملک۔ سکرٹری خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خان صاحب اور جائنٹ سکرٹری ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ہیں۔

۱۸۔ اکتوبر ہی کے جلسہ میں یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ علیگڈھ کالج کی سکرٹری شپ کا عہدہ جو نواب صاحب مرحوم کی وفات سے خالی ہو گیا ہے۔ وہ جلد سے جلد پُر کیا جائے۔ انتخاب سکرٹری شپ کے لئے ۵ دسمبر مقرر ہوئی ہے۔ چونکہ

خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خان صاحب ایک عرصہ سے کالج کے جوائنٹ سکرٹری شپ کا کام کر رہے ہیں اسلئے ممکن تھا کہ آپ کو بھی انتخاب میں لایا جاتا۔ لیکن خان بہادر ممدوح نے نہایت دانشمندی کے ساتھ اپنا نام انتخاب سے الگ کر لیا اسوقت عام رائے اور اکثر ٹرسٹیوں کا رجحان نواب وقار الملک بہادر کیجانب ہے۔

عام ماتم اور اعتراف خدمات

نواب محسن الملک مرحوم کی وفات نے کل ہندوستان میں عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں میں خصوصاً ایک غیر معمولی ہل چل ڈالدی ہے۔ اور ان کا ماتم نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی کیا گیا ہے ہر حصہ ہند میں بے شمار ماتمی جلسے ہوئے ہیں۔ اور لاتعداد تعزیتی تار اور خطوط علیگڈھ پہنچے ہیں۔ گورنمنٹ کے تمام اراکین اور اکثر اعلے حکام تک نے اظہار تاسف و ہمدردی کیا ہے۔ بہت سے والیان ریاست اور امرا اور رؤسا نے ماتم پرسی کی مراسم ادا کی ہیں۔ اور تمام ملکی اور اکثر غیر ملکی اخبارات نے ماتمی مضمون لکھے ہیں۔ الغرض نواب صاحب مغفور کے ماتمی لٹریچر کا ایک دفتر ضخیم ابتک تیار ہو چکا ہے۔ جسکا سلسلہ ہنوز جاری ہے اور نہیں معلوم کب تک جاری رہیگا۔ ان کی خدمات کو گورنمنٹ اور ملک و قوم کے حق میں نہایت بیش بہا تسلیم کیا گیا ہے۔ حضور نظام عالی مقام نے مرحوم کی تعلیمی خدمات کے اعتراف میں مرحوم کی بیگم صاحبہ کا وظیفہ حین حیات ۔۔۔ ۳ سو روپے ماہوار کا مقرر کیا ہے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر نواب محسن الملک مرحوم کا ماتم غالباً صرف سرسید سے دوسرے درجہ پر ہوا ہے۔

مراثی اور تاریخہائے وفات

اگرچہ نواب محسن الملک مرحوم کی وفات پر کثرت سے مرثیے لکھے گئے ہیں۔ اور بیشمار تاریخیں کہی گئی ہیں۔ لیکن اس کتاب میں صرف مولانا حالی مدظلہ العالی کی

---

[1] نواب وقار الملک بہادر بلا اختلاف منتخب ہو گئے۔

رباعیوں اور مولانا سید امجد علی صاحب آشہری کے مرثیہ اور چند بہترین مادہ ہائے تاریخ پر اکتفا کیجاتی ہے :-

رباعیات

۱

ہیہات وہ تعلیم کا حامی مہدی سید کا وصی قوم کا ہادی مہدی

برسوں بہ صدا رہیگی کالج میں بلند مہدی! مہدی! دریغ مہدی! مہدی

۲

مرکر مہدی نے زندگانی پائی جی کھو کے جزائے جانفشانی پائی

زندہ تھے تو چند روزہ مہمان تھے یہاں جب مر گئے عمر جاودانی پائی

۳

بے عذر ہر ایک کام انجام دیا تھکنے کا نہ بھول کر کبھی نام لیا

جو کام پہ اس کے نکتہ چین تھے تذبذب دی جان انہیں کے کام میں کام کیا

۴

مہدی کے گئی نہ دل سے کالج کی لگن یاں تک کہ ہوا اس کے کفن زیب بدن

پورا کیا جیسے پال نے دین مسیح اس نے یونہی پورا کیا سید کا مشن

۵

دم بھر نہ کبھی جان کو آرام دیا خدمت کے لئے قوم کی مر مر کے جیا

پیری ہوئی سد راہ اسکی نہ مرض صدیوں کا تھا جو کام وہ برسوں میں کیا

۶

مدراس میں سوتوں کو جگایا جا کر غل علم کا برہما میں مچایا جا کر

چھائی ہوئی مردنی جہاں قوم میں تھی واں آب حیات ان کو پلایا جا کر

۷

پیری میں جوانوں کو کیا مات اس نے آرام پہ اپنے ماردی لات اس نے

تدبیر سے محنت سے دکھا دی سب کو کالج کی ترقی میں کرامات اس نے

جو قوم کی دوستی کا دم بھرتے ہیں — خدمت پہ وطن کی ناز جو کرتے ہیں۔
مہدی سے وہ سیکھ لیں کہ اسکو چاہیے — یوں رہتے ہیں یوں جیتے ہیں یوں مرتے ہیں

مرثیہ رحلت نواب محسن الملک مرحوم

(نتیجۂ طبع مولانا اشہری صاحب جمال سقیم لکھنؤ)

مہدی[1] کا شجر باغ سے سید[2] کی قلم ہے — جو لخت ہے شجر سے یاقوت رقم ہے
جان لب پہ ہے لب پہ ہیں مشتاق[3] ارم ہے — دنیائے دنی سے سفر ملک عدم ہے
ملتا ہے نہ بھائی نہ عزیز[4] و رفقا ہیں۔
اس وقت کے جو حرف ہیں وہ ہوش ربا ہیں

رخ شیخ ہوا بادہ احمر کے سبب سے — ہے بیکسی یاس کھڑی پاس ادب سے
اب قطع تعلق ہے دل جاہ طلب سے — نزدیک قضا اسکے ہے وہ دور ہے سب سے
شملہ[5] پہ ہے سر پیر پہ قضا طول سفر ہے
کالج سے تعلق نہ علیگڑھ سے غرض ہے

معلوم ہوا جب یہ کہ اب پاس ہے رحلت — اب پاس نہیں کوئی یہاں جز غم و حسرت
ہے باغم و اندوہ بانداز عزیمت — سردار علیخان[6] سے کہا راز وصیت
فرمایا اٹھا دو کو مری لاش روانہ ہو
وہاں دفن قریب پدر خاک نشاں ہو

لہراتا ہے تابوت پہ دامان شفاعت[7] — پہلے سے ہی مہدی کیلئے وا در جنت
خدام ہیں سب بستہ کھڑے ہیں باغم و حسرت — شملہ کے مسلمان ہیں کمر بستہ خدمت

---

[1] مہدی علی [2] سید احمد خان [3] رعایت نام مولوی مشتاق حسین [4] سید عزیز حسن و سید رفیق حسن برادرزادگان مرحوم [5] انڈیا کونسل اور دوسری کونسلوں میں مسلمانوں کے قومی حقوق کے متعلق لارڈ منٹو سے گفتگو کرنے اور نیز اپنی حفظ صحت کی غرض سے شملہ تشریف لے گئے تھے۔ [6] سردار علیخان صاحب نواب سکریٹری جو شملہ پر محسن الملک کے ساتھ تھے۔ [7] ڈاکٹر شفاعت اللہ ساتھ تھے ۱۲

فردوس میں روشن گر نام اب وجد ہو
آدم کے قرین آدم ثانی کی لحد ہو

(سرسید) (محسن الملک)

لیکن نہ ہوا حسب وصیت یہ سرانجام — افسوس اٹاوہ نے نہ پایا شرف نام
جو خاص محل تھا وہ ہوا وقف رہ عام — خالی نہ ہے مہدی سے مہیرے[1] کے در و بام

مہدی سے نے جا روضۂ عباس میں پائی
بھائی کے قرین دفن ہوا آہ نہ بھائی

پربھنی[2] و اندور[3] میں دو بھائی ہیں انکے — ہیں ایک امیر[4] ایک علی[5] و جہہ حسن سے
وہ مدفن محسن پہ پس از دفن کفن پہنچے — دل تھام کے تا دیر رہے فاتحہ پڑھتے

اب فاتحہ پڑھنے کے سوا کچھ نہ رہا تھا
موقع ہی نہ اسکا تھا جو محسن نے کہا تھا

شمس العلما شبلی نعمانی و حالی — پھر ہوں سخن آرائے مضامین خیالی
طوبا میں لگا آئیں نئے رنگ کی ڈالی — ہوں دنگ جسے دیکھ کے فردوس کے مالی

فردوس میں غل ہو نہیں دیکھی قلم ایسی
طوبا کے بھی ملتی نہیں شاخین بہم ایسی

اے خلد علیگڈھ ترا آدم ہوا رخصت — پنجاب ترا قبلۂ عالم ہوا رخصت
بنگال ترا مونس و ہمدم ہوا رخصت — مدراس ترا مصلح اعظم ہوا رخصت

اے دہلی و لاہور عزادار بہم ہو
اے لکھنؤ و آگرہ مصروف الم ہو

جو سبزہ تھا اس باغ کا وہ آج رواں ہے — گلزار علی باغ حسن وقف خزاں ہے
رنگینی رخ شرقی عارض سے عیاں ہے — غران[6] قوم کے بچوں کیلئے جوش زناں ہے

---

[1] مہیرا اس سواد کا نام ہے جہاں روضۂ عباس واقع ہے [2] پربھنی نام ضلع متعلق اورنگ آباد [3] اندور سنٹرل انڈیا کی مشہور ریاست [4] مولوی سید امیر حسن صاحب تعلقہ دار دوّل (دکلکڑ) ضلع بیڑ [5] مولوی سید علی حسن صاحب ریونیو ممبر کونسل ریاست اندور [6] شیخ بابو کے مرثیہ نے کیفیت پیدا کی تھی ۱۲ منہ

گلگونہ ملا چہرہ پہ ہے رنگ شفق کا
ہوتا ہے گماں چہرہ پہ سونے کے طبق کا

پیدا ہوئی تہذیب کی جب بے شی نو — اسکے رخ روشن سے ملی قوم کو یہ ضو
پھیلا در و دیوار پہ اس ماہ کا پرتو — اک شمع فسردہ سے نئی طرح سے دی لو

سید کا معاون رہا وہ شادی و غم میں
وہ آپ نظیر اپنی تھا احسان و کرم میں

جو کام دکن میں کئے مقبول ہیں سارے — جو کام تھے بگڑے وہ فراست سے سنوارے
کالج تھا تنزل پہ پہ ہمت نہیں ہارے — پھر اسکو لگا لائے ترقی کے کنارے

سید کے زمانے سے بہت بڑھ گیا کالج
شاہوں کی نگاہوں پہ بھی اب چڑھ گیا کالج

کس شان سے کی اس نے ہے تکمیل عمارت — ہر قصر سے شاہانہ عیاں ہوتی ہے شوکت
چندہ میں ملے پندرہ لاکھ اسکی بدولت — شہزادہ[1] سے منظور کرائی وہیں دعوت

کابل کے امیر[2] اس کی مدارات سے آئے
شاہی کے خیالات فقیری میں دکھائے

عبرت کی ہے جا فاعتبروا یا اولی الابصار — روداد سے ہوتیں جنازوں کے خبردار
توضیح مقاصد کی ضرورت نہیں نہاں — اجمال سے تفصیل معانی ہے نمودار

مذہب سے نہ آزاد ہو پابند عمل ہو
تا وقت پہ کوئی نہ ذلیل ہو نہ خلل ہو

ہے محسن مرحوم کی لائف کا بڑا کام — دشوار ہے سید کی بھی لائف سے سوا کام
کہنا لطف اگر چھیڑ سکے کوئی تو ہے ناکام — یہ کام ہے خاص اسکو جو سمجھو سخن عام

---

[1] پرنس آف ویلز ولی عہد انگلستان و ہندوستان ۱۲

[2] ہز مجسٹی شاہ حبیب اللہ خان بہادر فرمانروائے افغانستان ۱۲

تاریخ وفات کے اندر یہ دلچسپ تطابق دریافت کیا ہے کہ جو مادے
سرسید کے لئے ہجری سنین میں ہیں وہی نواب محسن الملک کے لئے
فصلی سال کے لحاظ سے ہیں۔ مثلاً غفر لہ جس سے ۱۳۱۵ھ نکلتے
ہیں۔ اگر اس سن کو فصلی فرض کریں۔ تو بھی نواب محسن الملک کی بھی
تاریخ وفات ہو سکتی ہے۔

نمونہ خط نواب محسن الملک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تمام شد

نواب محسن الملک بہادر مرحوم کی شان خط

خیر الدین باربروسہ :- اس مشہور مسلمان امیر البحر کے جنگی کارناموں اور مسلمانوں اور عیسائیوں کی بحری حالت کا مختصر بیان (۳۲) صفحہ ۳ر

لارڈ رابرٹس :- سپہ سالار افواج انگلستان و سابق سپہ سالار افواج ہند کی سوانحعمری (۴۲) ۵ر

حکیم ارسطو :- حکیم ارسطاطالیس یونانی کی زندگی ۴۴ صفحہ ۳ر

چہار مقالہ :- نظامی عروضی سمرقندی کی مشہور کتاب حکایات مشاہیر شعراء نے ایران قابل دید ۸ر

بنجمن فرینکلن } امریکہ کے مشہور فلاسفر مدبر اور اخبار نویس کی سوانح عمری اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی امریکہ میں ہزاروں لوگوں نے صرف اس شخص کی زندگی کو نمونہ بنا کر عزت اور کامیابی حاصل کی ہے۔ منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ترجمہ کیا ۴۴ صفحہ ۴ر

جنرل گارڈن :- چین و مصر کا مشہور انگریزی جنرل (۴۰) صفحہ ۲ر

حیات سودا :- ملک الشعراء ہندمرزا رفیع السودا مشہور ہجوگو (۱۰۸) صفحہ ۶ر

حیات نادری :- ایشیا کے مشہور بہادر سپاہی شہنشاہ نادر کی حیرت انگیز ترقیوں اور یلغاروں کے حالات ۲ر

جان ملٹن :- ملک الشعراء انگلستان کی سوانحعمری (۳۴) صفحہ ۲ر

جوزف میزینی :- اٹلی کے نامور ریفارمر جوزف میزینی کی زندگی اور جدوجہد کے دردانگیز اور پس سبق آموز حالات ۱۰۰ صفحہ ۸ر

تذکرہ اشوک :- ہندوستان کے قدیم مہاراجہ اور بدھ مذہب کے خاص اور رحمدل بادشاہ کا تذکرہ ۸ صفحہ ۲ر

مرقع تصاویر حصہ اوّل اسمیں زمانہ حال کے ہر قوم اور ملک کے تیس نامور اور مشہور لوگوں کی عمدہ تصاویر ۱۱-انچ × ۹ انچ مع حالات موجود ہیں۔ جو ہر تصویر قابل آویزان کرنے کے ہے ناموں کی تفصیل کی گنجایش نہیں ۔ ۱۲ر

ایضاً حصہ دوم :- اسمیں مشاہیر عہد کے چوبیس قابل دید مرقع حالات تقطیع بالا کے ہیں ۱۲ر

" حصہ سوم :- اسمیں ستائیس قابل دید حالات معہ تصویر ہیں ۱۲ر

" " چہارم :- اس میں تئیس تصاویر قابل دید معہ حالات ہیں ۱۲ر

یہ حصے ختم ہوجانے کے بعد ایسا ذخیرہ تصاویر ملنا مشکل ہوجائے گا۔

پیسہ اخبار لاہور

جسمیں ہر ہفتہ ملک کے تمام ضروری معاملات پر اعلیٰ درجہ کی رائے زنی کی جاتی ہے اور انگریزی ۔ عربی ۔ ترکی وغیرہ اخبارات کے مضامین ترجمہ ہوکر درج ہوا کرتے ہیں اور جسکو باقی تمام اردو اخبارات سے زیادہ اور تازہ خبریں بہم پہنچانے کا فخر حاصل ہے بوجہ

اپنی نہایت ارزان قیمت اور ہر دلعزیز پالیسی کے

ہندوستان بھر کے تمام اردو اخبارات سے زیادہ چھپنے والا ہے قیمت معہ محصولڈاک فقط اڑھائی روپے (عہ) پیشگی قیمت کی وصولی تین نادر کتابیں ہر ایک خریدار کو مفت ملتی ہیں

مینجر پیسہ اخبار لاہور

جیمس واٹ :- دخانی انجن کے موجد کی سوانحعمری ۲ر

مہاتما بدھ :- مہاتما بدھ بانی مذہب کی سوانحعمری (۲۰) صفحہ ۲ر

نپولین بوناپارٹ :- فرانس کا عظیم الشان بہادر سپاہی بادشاہ ۲ر

نورجہاں بیگم :- شہنشاہ جہانگیر کی چہیتی ملکہ ۲۰ صفحہ ۱ر

سیٹھ جمسیٹ جی جیجی بھائی :- مشہور پارسی کروڑپتی اور فیاض شخص کی زندگی کے حالات گجراتی سوانح عمری کا ترجمہ ۶ر

ابراہیم لنکن :- اضلاع متحدہ امریکہ کے نامور پریسیڈنٹ جو نہایت افلاس کی حالت سے اس عظیم الشان رتبہ تک اپنی قوت بازو سے پہنچ گیا ہو (۱۰۶) صفحہ ۵ر

ہمارا قیصر ہمارے شہنشاہ ہندوستان ایڈورڈ ہفتم خلد اللہ زمانہ تاجپوشی تک ۴۲ صفحے

اورنگ زیب ابو المظفر کے مفصل حالات - از مولوی (۱۳۳) صفحہ ۱۲/

تذکرہ امیر باتصویر - خداداد افغانستان کی زندگی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر ونقشجات (۱۰۳) صفحہ

شاہ مظفر الدین - تاجدار شہنشاہ ایران معہ ان کے شہزادوں وغیرہ کی چالیس تصاویر کے ۱۲۸ صفحہ ۸/

ہمارا بادشاہ انگلینڈ وقیصر ملکہ کی کے تمام حالات بچپن سے ۱۲/

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی احمد الدین صاحب بی اے پلیڈر

امیر عبدالرحمن خان بادشاہ دولت کے حیرت انگیز حالات جو منشی پیسہ اخبار نے فراہم کئے معہ تصاویر کے -

حالات زندگی شاہ کجکلاہ مظفرالدین

انتخاب لاجواب

دنیا کے تمام نہایت دلچسپ اخبارات رسالوں کتابوں اور تحریروں کا عطر مجموعہ جس میں ہزارہا ایسے قیمتی علمی ادبی مضامین دل بہلاؤ اور تعلیم کیلئے درج ہوتے ہیں کہ جو اور کسی ذریعہ سے اردو زبان میں مل نہیں سکتے ہندوستان میں کبھی آج تک اس قسم کی کوئی کتاب یا رسالہ نہیں چھپا اردو زبان میں بے نظیر ہے۔ ناظرین میں کئی قسم کا انعام تقسیم ہوتے ہیں اور نامہ نگاروں کو معاوضہ دیا جاتا ہے - ہفتہ وار اشاعت ۴۸ صفحہ کلاں قیمت معہ محصول ڈاک چار روپے (للعہ)

ملنے کا پتہ :- مینیجر پیسہ اخبار لاہور -

اینڈرو کارنیگی :- امریکہ کے اس مشہور کروڑ پتی کی زندگی کے تمام وکمال حالات درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دولتمند اور فیاض شخص جو بچپن میں ایک غریب جلاہے کا بیٹا تھا - کس طرح اپنی عقل خداداد اور قوت بازو سے دنیا کے فولاد کے کارخانوں کا بادشاہ بن گیا - ۱۱۲ صفحہ ۱۴/

پیٹر اعظم :- سلطنت روس کے بانی بادشاہ کا تذکرہ (۵۲) صفحہ ۳/

پریسیڈنٹ کروگر کی سوانح عمری :- ٹرنسوال سابق پریسیڈنٹ کروگر کی زندگی کے حالات کروگر اپنی ذاتی لیاقت اور وجاہت سے دنیا کے نامور آدمیوں میں شمار ہوتا ہے (۱۶) تصاویر ۱۲/

حیات راجہ بیربل :- شہنشاہ اکبر کے نورتن میں سے اس مصاحب دانشور کے حالات معہ لطائف و تصاویر و اشعار - حالات دربار اکبری و دیگر امرائے دربار ۸۸ صفحہ ۶/

تذکرہ شیکسپیئر :- انگلستان کے زندہ جاوید ملک الشعراء کی سوانحعمری ۸۴ صفحہ ۲/

تذکرہ محمود :- سلطان محمود غزنوی کی سوانح عمری ۳۷ صفحہ ۲/

جیمز گارفیلڈ - یہ محنتی اور مزدور لڑکا کس طرح اضلاع متحدہ امریکہ کا پریسیڈنٹ ہو گیا - ۹۰ صفحہ ۳/

کرسٹوفر کولمبس :- امریکہ کے دریافت کرنے والے مشہور جہاز ران کے حالات ۸۳ صفحہ ۲/

مسٹر گلیڈسٹون :- انگلستان کے سابق وزیر اعظم اور مدبر کے حالات ۸۳ صفحہ ۲/

سوانحعمری راجہ رام موہن
خدا پرست محب الوطن فاضل
سماج کی زندگی کے دلچسپ
ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے
(۲۲۴) عا

مارٹن لوتھر :- پروٹسٹنٹ ریفارمر کی زندگی - ۳/

وان ہمبولٹ :- مشہور عمری ۹۰ صفحہ ۲/

اکابر اسلام :- جس میں ۲۵ ۴۴ خوشنویسان اور ۱۲ امرائے نامور

رائے :- اس نامور بنگالی ادیب
فلسفی زباندان - مدبر بانی برہمو
اور تعلیم دینے والے حالات سے
مجلد معہ تصاویر عکسی -

مذہب کے بانی اور یورپ کے عیسائی

عالم علوم طبعی و سیاح کی سوانح

حکمائے اسلام ۵۳ مشائخ کرام کے مختصر حالات ۳۲ صفحہ ۲/

بچوں کا اخبار

انگلستان اور امریکہ میں کم از کم ایک اخبار بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق شائع ہوتے ہونگے مگر اردو زبان میں تمام ہندوستان میں ایسا ایک اخبار یا رسالہ بھی شائع نہیں ہوتا اس کمی کو پورا کرنے کیلئے بچوں کا اخبار جو کہ اب تک کارخانہ پیسہ اخبار سے ماہوار شائع ہونا شروع ہوا ہے اور اس ملک کے تمام اخبار اور اہل الرائے لوگوں اور محکمہ تعلیم کے اکثر افسروں نے بچوں کے اخلاق و آداب اور تعلیم و تربیت کے لئے نہایت مفید تسلیم کیا ہے کوئی بال بچہ والا گھر اس سے خالی نہ رہے -

قیمت سالانہ دو روپیہ (عہ) مینیجر پیسہ اخبار لاہور -